زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ اشراق

نومبر 2024ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ

اشراق

جلد ۲ شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۲۴ء ربیع الثانی / جمادی الاول ۱۴۴۶ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

معاون مدیر: شاہد محمود

مجلس تحریر:

ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر محمد عامر گزدر

ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

فہرست

شذرات

شریعت میں تبدیلی — جاوید احمد غامدی — 3

حدیث: قرآن و سنت کا بیان یا اُن پر اضافہ — سید منظور الحسن — 7

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت — محمد حسن الیاس — 18

قرآنیات

البیان: البقرہ 2: 204-215 (15) — جاوید احمد غامدی — 26

معارف نبوی

احادیث — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — 30

مقامات

دین فطرت — جاوید احمد غامدی — 33

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (16) — سید منظور الحسن — 36

آثارِ صحابہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم و عمل بہ طور اسوہ (2) — ڈاکٹر عمار خان ناصر — 42

اصلاح و دعوت

عدالتِ الٰہی میں پیغمبر کا مقدمہ — محمد ذکوان ندوی — 51

نقطۂ نظر

خدا کی رزاقیت اور بچوں کی پیدایش — ڈاکٹر عرفان شہزاد — 53

غلامی کا خاتمہ — ریحان احمد یوسفی — 57

حادثے کے بعد حادثے — نعیم احمد بلوچ — 60

سیر و سوانح

حیاتِ امین (15) — نعیم احمد بلوچ — 66

ادبیات

دعا — جاوید احمد غامدی — 72

حالات و وقائع

خبر نامہ "المورد امریکہ" — شاہد محمود — 74

جاوید احمد غامدی

شریعت میں تبدیلی

اسلامی شریعت اللہ کا قانون ہے، جو اُس نے اپنے بندوں کو راہ راست پر رکھنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اِس قانون سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اِس میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اِس کے نازل کرنے والے کی طرف سے تبدیلی ہو جاتی ہے۔ قرآن سے پہلے یہ قانون تورات میں بیان ہوا ہے۔ اِسی طرح شخصی معاملات میں دین ابراہیمی کی روایت کی حیثیت سے عرب میں بھی رائج تھا۔ قرآن نازل ہوا تو اِس کے بعض احکام اور بعض رسوم و ظواہر میں اُس نے تبدیلی کر دی۔ چنانچہ اِس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور اُنھوں نے اعتراضات کرنا شروع کر دیے۔ قرآن نے اِس کے جواب میں فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (البقرہ 2:106)

”ہم (تورات کی) جو آیت بھی منسوخ کرتے ہیں یا اُسے بھلا دیتے ہیں، (قرآن میں) اُس کی جگہ اُس سے بہتر یا اُس جیسی کوئی دوسری لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟“

یہ تبدیلی کیوں ہوتی ہے؟ قرآن سے اِس کی مثالوں کا استقصا کیا جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اِس کے وجوہ بالعموم دو ہی رہے ہیں:

ایک، افراد میں تبدیلی؛ جیسے خدا نے کوئی حکم اپنے کسی پیغمبر کو خاص اُسی کے لیے یا اُس کے

صحابہ اور متعلقین کے لیے دیا تھا اور اب وہ دنیا میں نہیں رہے۔ اِسی طرح کسی قوم کو اُس کے کسی منصب کی رعایت سے دیا تھا اور اب وہ اُس منصب پر فائز نہیں رہی یا حاملین شریعت کی حیثیت سے ایک قوم کی جگہ کسی دوسری قوم کا انتخاب ہوا تو جن چیزوں سے وہ مانوس تھے، اُن کے لحاظ سے اُن کے لیے بعض رسوم وظواہر بھی الگ مقرر کر دیے گئے۔

دوسرے، حالات میں تبدیلی؛ جیسے زمین کی کھیتی اور پالتو جانوروں کے درمیان زندگی بسر کرنے والوں نے صنعت و حرفت اور تجارت اختیار کر لی اور بڑے شہروں میں آکر آباد ہو گئے تو قربانی کے حکم پر عمل کرنا اُن کے لیے پہلے کی طرح ممکن نہیں رہا یا غیر معتاد مشقت کا باعث بن گیا۔ اِسی طرح تادیب و تنبیہ اور تربیت کے لیے کوئی حکم دیا گیا تھا اور اب اُس کی ضرورت نہیں رہی۔

یہ دونوں وجوہ ہر لحاظ سے قابل فہم ہیں اور علم و عقل کا تقاضا ہے کہ اِن کے پیش نظر قانون میں تبدیلی لازماً ہونی چاہیے۔ لیکن قانون اگر خدا کی طرف سے نازل کیا گیا تھا تو اُس کے بارے میں پوچھا جا سکتا ہے کہ خدا تو ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے، پھر اُس نے جب پہلی مرتبہ قانون دیا تو اُس کے ساتھ اُسی وقت صراحت کیوں نہیں کر دی کہ یہ قانون فلاں اور فلاں تغیرات کے نتیجے میں ختم ہو جائے گا، یا متغیر ہو کر فلاں صورت اختیار کر لے گا؟ یہ طریقہ اگر اختیار کر لیا جاتا تو کسی اعتراض کی گنجایش پیدا نہیں ہو سکتی تھی، مگر ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، جس کے نتیجے میں شرائع اب بعض معاملات میں ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہو گئی ہیں۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس فیصلے کی حکمت بیان کی اور فرمایا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً، وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰىكُمْ، فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ، اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا، فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. (48:5)

”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت، یعنی ایک لائحۂ عمل مقرر کیا ہے۔ اللہ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا، مگر اُس نے یہ نہیں کیا، اِس لیے کہ جو کچھ اُس نے تمھیں عطا فرمایا ہے، اُس میں تمھاری آزمایش کرے۔ سو بھلائیوں میں ایک دوسرے سے آگے

بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو (ایک
دن) اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے۔ پھر وہ
تمھیں بتا دے گا سب چیزیں، جن میں
تم اختلاف کرتے رہے ہو۔‘‘

مدعا یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے، اپنے قانون ابتلا کے مطابق کیا ہے تاکہ دیکھیں کہ لوگ رسوم و ظواہر کے تعصب میں گرفتار ہو کر اصل حقیقت سے منہ موڑتے ہیں یا حقیقت کے سچے طالب بن کر اُس کو ہر اُس صورت میں قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، جس میں وہ خدا اور اُس کے رسول کی طرف سے سامنے آتی ہے۔ چنانچہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم لکیر کے فقیر اور رسوم و ظواہر کے غلام بن کر نہ رہ جاؤ، بلکہ دین کی اصل حقیقت کو سامنے رکھو اور اللہ کے پیغمبر نے نیکی، خیر اور حصول قرب الٰہی کے لیے جدوجہد کی جو راہ تمھارے لیے کھول دی ہے، اُس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ کی شریعت جس صورت میں بھی آئے، تمھارے لیے زیبا یہی ہے کہ اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور شرائع میں اختلاف کو بنیاد بنا کر دین کی اصل حقیقت، یعنی خدا کی بندگی سے روگردانی نہ کرو۔

اِس کے بعد یہ سوال، البتہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حالات کی تبدیلی سے شرائع اگر تبدیل ہوتی رہی ہیں تو انسانی تمدن اور اُس کے احوال میں جو تبدیلیاں سائنس کی غیر معمولی ترقی کے نتیجے میں مستقبل قریب یا بعید میں متوقع ہو سکتی ہیں، اُن میں پھر کیا کیا جائے گا؟ اِس لیے کہ اِس سے پہلے تو نبوت جاری تھی اور اللہ کے پیغمبر حالات کے لحاظ سے نئی شریعت لے کر آسکتے تھے، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اِس طرح کی کوئی صورت حال اگر پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کا کیا حکم ہے؟

اِس کے جواب میں عرض ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا مدار اُن کے معنی پر ہے۔ قرآن نے یہ حقیقت اپنے اوامر و نواہی کے اطلاقات سے ہر جگہ واضح کر دی ہے۔ ائمۂ اصول اِس کو ’علت‘ سے تعبیر کرتے ہیں، لہٰذا قاعدہ ہے کہ ’إن الحکم یدور مع العلة وجودًا وعدمًا‘، یعنی حکم کی علت موجود ہے تو حکم بھی موجود ہے اور علت تبدیل ہو گئی ہے تو حکم بھی اُس کے لحاظ سے تبدیل ہو جائے گا۔ یہ علت حکم کی بنیاد ہے۔ اِس کو اِسی بنا پر ’مناط‘ کہا جاتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں

کہ یہ زیادہ تر استنباط کے ذریعے سے متعین کی جاتی ہے، مگر قرآن کے اوامر و نواہی میں جہاں اِس کا امکان تھا کہ حالات کی تبدیلی کسی وقت کوئی تقاضا پیدا کر سکتی ہے، اُسے قرآن نے استنباط کے لیے نہیں چھوڑا، بلکہ اِس طرح کے موقعوں پر حکم کی علت پوری صراحت کے ساتھ خود بیان کر دی ہے۔ چنانچہ دیکھیے، سورۂ بقرہ (2) کی آیت 282 میں لین دین سے متعلق تحریر و شہادت کا ایک خاص ضابطہ بیان فرمایا ہے تو اُس کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ 'اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ' ہے۔ سورۂ نساء (4) کی آیت 34 میں شوہر کو بیوی پر قوام قرار دے کر اُس کے حقوق و اختیارات بیان کیے ہیں تو ساتھ ہی وضاحت کر دی ہے کہ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ'۔ اِسی طرح آیات 12-11 میں میراث کے حصے متعین فرمائے ہیں تو ساتھ ہی متنبہ کر دیا ہے کہ اِن میں علت حکم 'اَقْرَبُ نَفْعًا' ہے۔

اِس سے واضح ہے کہ قرآن جس شریعت کو لے کر نازل ہوا ہے، اُس کے اوامر و نواہی کو اُس نے 'الاحکام بالعلل' کے اصول پر ہر زمانے اور ہر دور کے ساتھ اِس طرح متعلق کر دیا ہے کہ اُس کو کسی نئے الہام کی ضرورت کبھی لاحق نہیں ہو سکتی۔ خدا کی یہ کتاب اب خدا کا آخری عہد نامہ ہے، جو ابدی شریعت کے ساتھ نازل کر دیا گیا ہے۔ خدا کے بندوں پر اِس کی حکومت اُس دن قائم ہو گئی تھی، جس دن خدا کے مقرب ترین فرشتے جبریل امین نے اِس کو قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا تھا، اور خدا کا فیصلہ ہے کہ زمین پر انسان کے آخری دن تک یہ حکومت اِسی طرح قائم رہے گی:

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

سید منظور الحسن

حدیث: قرآن و سنت کا بیان یا اُن پر اضافہ

غامدی صاحب کا موقف

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کا موقف ہے کہ دین اصلاً، قرآن اور سنت[1] کی دو صورتوں میں محصور ہے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو اُس کی حیثیت دین کی تفہیم و تبیین کی ہے۔ لہٰذا اُس کے ذریعے سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے:

> ”... دین اصلاً، (قرآن و سنت کی) اِنھی دو صورتوں میں ہے۔ اِن کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اُسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم ”حدیث“ کہا جاتا ہے، اِن سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ

---

[1]۔ ”سنت“ سے غامدی صاحب کی مراد: ”دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ... ثبوت کے اعتبار سے اِس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اِسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔“ (میزان 14)

نہیں ہوتا۔ دین سے متعلق جو چیزیں اِن میں آتی ہیں، وہ درحقیقت قرآن و سنت میں محصور اِسی دین کی تفہیم و تبیین اور اِس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہیں۔ حدیث کا دائرہ اِس معاملے میں یہی ہے۔ اِس کی تبلیغ و حفاظت کے لیے آپ نے اِسی بنا پر کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا، بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ اِس کی جس چیز کو اُس کی نوعیت کے لحاظ سے ضروری سمجھیں، آگے پہنچائیں اور جس کو نہ سمجھیں، نہ پہنچائیں۔''

(میزان 15)

اِس اقتباس سے واضح ہے کہ استاذِ گرامی یہ نہیں کہہ رہے کہ حدیث میں کسی عقیدہ و عمل کا بیان نہیں ہے، بلکہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اِس سے ''کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا''۔ اِس میں اصل لفظ ''اضافہ'' ہے۔ یعنی اُن کا موقف یہ ہے کہ حدیث میں عقائد کا بیان بھی ہے اور اعمال کا بھی، مگر یہ بیان اُنھی عقائد و اعمال کی شرح و فرع اور تفہیم و تبیین پر مبنی ہے، جو قرآن میں مذکور اور سنت میں جاری ہیں۔ اِسی طرح اِس میں شرعی احکام بھی نقل ہوئے ہیں، لیکن اُن کی نوعیت نئے احکام کی نہیں ہے، بلکہ قرآن و سنت کے احکام کی تشریح و تعبیر اور اُن پر آپ کے عملی نمونے کی ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک قرآن و سنت کے احکام بھی دین ہیں اور حدیث میں نقل اُن کی شرح و فرع، تفہیم و تبیین اور اُن پر عمل کے لیے آپ کا اسوۂ حسنہ بھی دین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر اُن کی نسبت متحقق ہے تو اُن کا انکار ایمان کے منافی ہے۔ اِس بات کو اُنھوں نے پوری صراحت کے ساتھ اِن الفاظ میں لکھا ہے:

''... اِس دائرے کے اندر، البتہ حدیث کی حجت ہر اُس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اِس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اِسے قبول کر لیتا ہے۔ اِس سے انحراف پھر اُس کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اِس میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔'' (میزان 15)

استاذِ گرامی کے مدعا کی تفہیم کے لیے ''فتح الباری'' یا ''عمدۃ القاری'' کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ صحیح بخاری کی شرحیں ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اِن کتب کے مندرجات امام بخاری کے تحقیقی کام میں نہ کوئی اضافہ کرتے ہیں اور نہ اُس سے ہٹ کر کوئی نئی تحقیق بیان کرتے ہیں،

بلکہ یہ اُسی کام کی تفہیم و تبیین اور شرح و وضاحت ہیں، جو امام صاحب نے اپنی صحیح میں جمع کیا ہے تو اُس کی بات کو بجا قرار دیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ قائل نے اِن شروح کی حیثیت کو ماننے سے انکار کیا ہے۔

واضح رہے کہ استاذِ گرامی کا یہ موقف کہ حدیث قرآن و سنت کی شرح و فرع اور تفہیم و تبیین ہے، کوئی منفرد موقف نہیں ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ وہی موقف ہے، جس پر علماے امت کی اکثریت قائم ہے۔ اِس ضمن میں چند حوالے درجِ ذیل ہیں۔

امام شافعی بیان کرتے ہیں:

وسنته لا تكون إلا بالإبانة عن الله تبارك وتعالىٰ واتباع أمره. (الام 7/3)	”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (حدیث) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کی توضیح اور اُسی کے حکم کی اتباع ہے۔“

اِسی بنا پر امام شافعی نے آیاتِ قرآنی کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ آیات جنھیں خارج کے بیان کی ضرورت نہیں اور دوسری وہ جن کی تبیین سنت سے ہوتی ہے۔ ابوزہرہ امام شافعی کے اِس موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب صورت یہ ٹھیری کہ قرآن بیانِ کلّی ہے اور سنت حسبِ ضرورت اُس کی شارح و مفسر تو شافعی بیانِ قرآن کی دو قسمیں کرتے ہیں:

1۔ وہ بیانِ قرآن جو نص ہے اور جس کی تشریح و توضیح کے لیے خارج سے کسی امداد کی ضرورت نہیں، وہ خود واضح ہے۔

2۔ وہ بیانِ قرآن جو اپنی تشریح و توضیح میں سنت کا محتاج ہے، خواہ اپنے اجمال کی تفصیل میں یا معنی محتمل کی تعیین میں یا عموم کی تخصیص میں۔“

(محمد ابوزہرہ، امام شافعی عہد اور حیات، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 85)

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں:

ما أجسر على هذا أن أقوله ولكن السنة تفسر الكتاب وتعرف	”یہ کہنے کی جسارت میں نہیں کر سکتا (کہ سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے)۔

الکتاب وتبیینه.
(الکفایہ فی علم الروایہ 19)

سنت (حدیث) تو قرآن کی تفسیر کرتی، اُس کی تعریف کرتی اور اُس کی مجمل باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔"

امام شاطبی نے لکھا ہے:

السنة راجعة فی معناها إلى الکتاب، فهی تفصیل مجمله، وبیان مشکله، وبسط مختصره. وذلك لانها بیان له. فلا تجد فی السنة أمرًا إلا والقرآن دل على معناه دلالة إجمالیة وتفصیلیة.[2]

"سنت (حدیث) اپنے معنوں میں کتاب کی طرف راجع ہوتی ہے اور وہ قرآن کے اجمال کی تفصیل، اُس کے مشکل کی وضاحت اور مختصر کی تفصیل ہے، اِس لیے کہ وہ قرآن کا بیان (وضاحت) ہے۔ لہٰذا آپ سنت میں کوئی ایسی بات نہیں پائیں گے، جس کے معنی پر قرآن دلالت نہ کر رہا ہو۔ خواہ یہ دلالت اجمالی ہو یا تفصیلی ہو۔"

استاذِ گرامی کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے، جسے اُنھوں نے اپنی کتاب "مقامات" میں امام شافعی کے موقف کی تائید میں "عام وخاص" کے زیرِ عنوان واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الٰہی کی یہی خدمت انجام دی ہے اور اپنے ارشادات سے اُن مضمرات و تضمنات کو واضح کر دیا ہے جن تک رسائی اُن لوگوں کے لیے مشکل ہو سکتی تھی جو لفظ و معنی کی اِن نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ امام شافعی بجا طور پر اصرار کرتے ہیں کہ ظاہر الفاظ کی بنیاد پر آپ کی اِس تفہیم و تبیین سے صرف نظر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ قرآن کا بیان ہے، اِس میں کوئی چیز قرآن کے خلاف نہیں ہوتی۔ خدا کا پیغمبر کتاب الٰہی کا تابع ہے۔ وہ اُس کے مدعا کی تبیین کرتا ہے، اُس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں کرتا۔ امام اپنی کتاب

---

[2]۔ الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ، (مترجم: کیلانی، مولانا عبد الرحمٰن)، لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، 2006ء، 4/10۔

میں اِس کی مثالیں دیتے اور بار بار متنبہ کرتے ہیں کہ قرآن کے احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بیان اور صرف بیان ہے۔ اُسے نہیں مانا جائے گا تو یہ قرآن کی پیروی نہیں، اُس کے حکم سے انحراف ہو گا، اِس لیے کہ اُس کا متکلم وہی چاہتا ہے جو پیغمبر کی تفہیم و تبیین سے واضح ہو رہا ہے، اُس کا منشا اُس سے مختلف نہیں ہے۔...

ہم نے ''میزان'' میں کوشش کی ہے کہ امام کے موقف کو پوری طرح مبرہن کر دیں، اِس لیے کہ اصولاً وہ بالکل صحیح ہے۔ اہل نظر ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول و مبادی'' میں ''میزان اور فرقان'' کے زیر عنوان یہ مباحث دیکھ سکتے ہیں۔ اِس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن مجید کے احکام سے متعلق روایتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ اُس کے الفاظ کا مضمر ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریحات سے ظاہر کر دیا ہے۔ قرآن کے طالب علموں کو اِس سے لفظ کے باطن میں اتر کر اُس کو سمجھنے کی تربیت حاصل کرنی چاہیے، اِسے رد کر دینے یا اِس سے قرآن کے نسخ پر استدلال کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔''(144)

استاذِ گرامی کیسے احادیث کو قرآنِ مجید کی تفہیم و تبیین کے طور پر پیش کرتے ہیں، اِس بات کی تفہیم کے لیے اُن کی کتاب ''میزان'' سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

1۔ محرماتِ نکاح کی جو فہرست سورۂ نساء (4) کی آیات 22 تا 24 میں بیان ہوئی ہے، اُس میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''تمھاری وہ مائیں بھی جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور رضاعت کے اِس تعلق سے تمھاری بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئی ہیں)''۔

یعنی قرآن سے واضح ہے کہ جس طرح نسب اور مصاہرت کی بنا پر اللہ نے بعض خواتین سے نکاح کو ممنوع قرار دیا ہے، اُسی طرح رضاعت کے تعلق سے بھی نکاح کی ممانعت فرمائی ہے۔ اِس ضمن میں قرآنِ مجید کا مدعا یہ ہے کہ دودھ پلانے کی عمر میں بالاہتمام دودھ پلانا ہی رضاعت ہے، چند گھونٹ اتفاقاً پی لینے سے یا دودھ پینے کی عمر کے بعد ایسا کوئی واقعہ ہونے سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں ہو جاتا۔ غامدی صاحب کے نزدیک قرآنِ مجید کا یہی مدعا ہے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے بخاری و مسلم کے حوالے سے لکھا ہے:

''قرآن کا یہ منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر واضح فرمایا ہے:

سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: ایک دو گھونٹ اتفاقاً پی لیے جائیں تو اِس سے

کوئی رشتہ حرام نہیں ہو جاتا (مسلم، رقم 3590)۔

سیدہ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو یہ ناگوار ہوا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر غصے کے آثار ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اپنے اِن بھائیوں کو دیکھ لیا کرو، اِس لیے کہ رضاعت کا تعلق تو صرف اُس دودھ سے قائم ہوتا ہے جو بچے کو دودھ کی ضرورت کے زمانے میں پلایا جائے (بخاری، رقم 5102۔ مسلم، رقم 3606)۔'' (میزان 415)

2۔ نکاح کی وہ حرمتیں جو قرآن نے سورۂ نساء (4) میں مصاہرت کے پہلو سے بیان کی ہیں، اُن میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اِس کے لیے 'وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ غامدی صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمانا، قرآن کے اِسی حکم کا بیان ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے:

''... قرآن نے 'بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ' ہی کہا ہے، لیکن صاف واضح ہے کہ زن و شو کے تعلق میں بہن کے ساتھ بہن کو جمع کرنا اُسے فحش بنا دیتا ہے تو پھوپھی کے ساتھ بھتیجی اور خالہ کے ساتھ بھانجی کو جمع کرنا بھی گویا ماں کے ساتھ بیٹی ہی کو جمع کرنا ہے۔ لہٰذا قرآن کا مدعا، لاریب یہی ہے کہ 'أن تجمعوا بين الاختين وبين المرأة وعمتها وبين المرأة وخالتها'۔ وہ یہی کہنا چاہتا ہے، لیکن 'بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ' کے بعد یہ الفاظ اُس نے اِس لیے حذف کر دیے ہیں کہ مذکور کی دلالت اپنے عقلی اقتضا کے ساتھ اِس محذوف پر ایسی واضح ہے کہ قرآن کے اسلوب سے واقف اُس کا کوئی طالب علم اِس کے سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا يجمع بين المرأة وعمتها ولا بين المرأة وخالتها. (الموطا، رقم 1600)	''عورت اور اُس کی پھوپھی ایک نکاح میں جمع ہو سکتی ہے، نہ عورت اور اُس کی خالہ۔'' (میزان 418)

3۔ سورۂ بقرہ (2) کی آیات 235-234 میں بیواؤں کی عدت کا حکم بیان ہوا ہے۔ اِس میں مردوں کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اگر بیوہ ہونے والی خواتین سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو

اُنھیں عدت کے زمانے میں غم زدہ عورت یا اُس کے خاندان کے سوگ اور غم کا لحاظ کرنا چاہیے اور نکاح کا پیغام بھیجنے اور خفیہ عہد و پیمان سے احتراز کرنا چاہیے۔ اگر ضرورت ہو تو اشارے کنایے میں اظہارِ مدعا پر اکتفا کرنا چاہیے۔ قرآنِ مجید نے یہاں مردوں ہی کے حوالے سے بات کی ہے، مگر عورتوں کو اِس معاملے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ غامدی صاحب کے نزدیک اِن آیات میں عورتوں کے لیے جو حکم مقابلتاً مفہوم ہوتا ہے، اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے:

”اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ زمانۂ عدت میں عورت کا رویہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ (یعنی مردوں ہی کی طرح غم اور سوگ کے معروفات کا لحاظ کرنے کا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اگر اپنے مرحوم شوہر کے گھر میں اُس کے لیے عدت گزار رہی ہیں تو سوگ کی کیفیت میں گزاریں اور زیب و زینت کی کوئی چیز استعمال نہ کریں۔ ارشاد فرمایا ہے:

المتوفی عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثیاب ولا الممشقة ولا الحلی ولا تختضب ولا تکتحل. (ابوداؤد، رقم 3204)

”بیوہ عورت رنگین کپڑے نہیں پہنے گی، نہ زرد، نہ گیروسے رنگے ہوئے۔ وہ زیورات استعمال نہیں کرے گی اور نہ مہندی اور سرمہ لگائے گی۔“

(میزان 464)

4۔ سورۂ مائدہ (5) کی آیات 34-33 میں اللہ اور رسول اللہ سے جنگ کرنے (محاربہ) اور فساد فی الارض کی سزائیں بیان ہوئی ہیں۔ یہ سزائیں عبرت ناک طریقے سے قتل، سولی، ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دینا اور جلاوطن کرنا ہیں۔ غامدی صاحب کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زنا کے بعض مجرموں کو جلاوطنی اور رجم (عبرت ناک طریقے سے قتل) کی سزا دینا قرآنِ مجید کے اِسی حکم کا اطلاق تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”آیت میں یہ سزائیں حرف ’اَوْ‘ کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید نے یہاں حکومت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت، مجرم کے حالات اور جرم کے موجود اور متوقع اثرات کے لحاظ سے اِن میں سے جو سزا مناسب سمجھے، اِس طرح کے مجرموں کو دے

سکتی ہے۔ تقتیل اور تصلیب جیسی سزاؤں کے ساتھ اِس میں نفی کی سزا اِس لیے رکھی گئی ہے کہ سزا میں انتہائی سختی کے ساتھ حالات کا تقاضا ہو تو مجرم کے ساتھ نرمی کے لیے بھی گنجایش باقی رکھی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ نے اپنے زمانے میں اوباشی کے اُن مجرموں کو جو اپنے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے کسی حد تک رعایت کے مستحق تھے، مائدہ کی اِسی آیت کے تحت جلاوطنی کی سزا دی اور وہ مجرم جنھیں کوئی رعایت دینا ممکن نہ تھا، اِسی آیت کے تحت رجم کر دیے گئے۔...

چنانچہ زنا کے بعض عادی مجرموں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عنی، خذوا عنی، خذوا عنی، فقد جعل اللّٰہ لھن سبیلاً. البکر بالبکر جلد مائۃ ونفی سنۃ والثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم. (مسلم، رقم 4414)

”مجھ سے لو، مجھ سے لو، مجھ سے لو۔ اللہ نے اِن عورتوں کے لیے راہ نکال دی ہے۔ اِس طرح کے مجرموں میں کنوارے کنواریوں کے ساتھ ہوں گے اور اُنھیں سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ اِسی طرح شادی شدہ مرد و عورت بھی سزا کے لحاظ سے ساتھ ساتھ ہوں گے اور اُنھیں سو کوڑے اور سنگ ساری کی سزا دی جائے گی۔“ (میزان 615)

5۔ سورۂ نساء (4) کی آیت 43 اور سورۂ مائدہ (5) کی آیت 6 میں تیمم کا حکم اِن الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر پانی نہ ملے تو کوئی پاک جگہ دیکھو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔“

غامدی صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اِسی حکم پر قیاس کر کے موزوں اور عمامے پر مسح کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نساء اور مائدہ میں مذکور) تیمم کے اِسی حکم پر قیاس کرتے ہوئے موزوں اور عمامے پر مسح کیا (بخاری، رقم 182، 203، 205۔ مسلم، رقم 622، 633)

اور لوگوں کو اجازت دی ہے کہ اگر موزے وضو کر کے پہنے ہوں تو اُن کے مقیم ایک شب و روز اور مسافر تین شب و روز کے لیے موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجاے اُن پر مسح کر سکتے ہیں (مسلم، رقم 639)۔'' (میزان 290)

6۔ سورۂ اعراف (7) کی آیت 157 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اُن کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور اُن کے اوپر سے اُن کے وہ بوجھ اتارتا اور بند شیں دور کرتا ہے، جو اب تک اُن پر رہی ہیں۔'' قرآنِ مجید نے پاک چیزوں کے لیے 'طیبات' اور ناپاک چیزوں کے لیے 'خبائث' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اب واقعہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں خورو نوش سے متعلق جو چیزیں طیب اور خبیث یا بہ الفاظِ دیگر حلال و حرام ٹھہرائی گئی ہیں، اُن تمام کو جمع کرنے سے طیبات اور خبائث کی کوئی جامع و مانع فہرست مرتب نہیں ہوتی۔ اِس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ متعدد چیزیں جن کا ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ہوا، اُن کے حلال و حرام کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جائے گا؟ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک اِس کا فیصلہ اُس دین فطرت کی بنیاد پر کیا جائے گا، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کر کے اِس دنیا میں بھیجا ہے۔ اُن کے نزدیک یہی سبب ہے کہ جس کی بنا پر قرآن نے طیبات و خبائث کا ذکر کیا ہے، مگر اُن کی کوئی فہرست بیان نہیں کی۔ اُس نے صرف اُن چار چیزوں کی حرمت کو بیان کیا ہے، جو کسی نہ کسی وجہ سے مشتبہ ہو سکتی ہیں یا جن کا فیصلہ انسان اپنی عقل و فطرت کی روشنی میں نہیں کر سکتا۔ تاہم، جہاں تک اِس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تعلق ہے تو آپ نے دینِ فطرت ہی کی چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اِن طیبات و خبائث کی کوئی جامع و مانع فہرست شریعت میں کبھی پیش نہیں کی گئی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت اِس معاملے میں بالعموم اُس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ کیا چیز طیب اور کیا خبیث ہے۔ وہ ہمیشہ سے جانتا ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہیں۔ اُسے معلوم ہے کہ گھوڑے اور گدھے دستر خوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اِن جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ نشہ آور چیزوں کی غلاظت کو سمجھنے میں بھی اُس کی عقل عام طور پر صحیح نتیجے پر پہنچتی ہے۔ چنانچہ خدا کی

شریعت نے اِس معاملے میں انسان کو اصلاً اُس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں (مسلم، رقم 3334، 4994) اور جلالہ (نسائی، رقم 4452) وغیرہ کا گوشت کھانے کی جو ممانعت روایت ہوئی ہے، وہ اِسی فطرت کا بیان ہے۔ شراب کی ممانعت سے متعلق قرآن کا حکم بھی اِسی قبیل سے ہے۔" (میزان 236)

یہاں غور کیجیے کہ غامدی صاحب صرف احادیث میں مذکور ممانعتوں کو بیان فطرت قرار نہیں دے رہے، بلکہ قرآن میں نقل شراب کی حرمت کے حکم کو بھی بیانِ فطرت ہی سے تعبیر کر رہے ہیں۔

مزید لکھتے ہیں:

"اِس میں شبہ نہیں کہ انسان کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ ہو جاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اُن کی ایک بڑی تعداد اِس معاملے میں بالعموم غلطی نہیں کرتی۔ چنانچہ شریعت نے اِس طرح کی کسی چیز کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔ اِس باب میں شریعت کا موضوع صرف وہ جانور اور اُن کے متعلقات ہیں جن کے طیب یا خبیث ہونے کا فیصلہ تنہا عقل و فطرت کی رہنمائی میں کر لینا انسانوں کے لیے ممکن نہ تھا۔" (میزان 633)

شاہ ولی اللہ نے اِسی بیان فطرت کو "اخلاق مطلوبہ" اور "طبائع سلیمہ" کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:

"اور اس کے بعد اُن جانوروں کو کھانے کا درجہ ہے کہ جو انسان سے مطلوبہ اخلاق کے خلاف اخلاق پر پیدا ہوا، حتیٰ کہ ان کی طرف کسی ضرورت سے ہی رخ کرتے ہیں اور ان کی مثال دی جاتی ہے۔ اور طبائع سلیمہ ان کو ناپاک سمجھتی ہیں اور ان کو کھانے سے انکار کرتی ہیں۔" (2/924)

امام شاطبی نے اِس مسئلے کو اِن الفاظ میں واضح کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں (طیبات) کو حلال اور گندی چیزوں (خبائث) کو حرام کیا۔ اب ان دونوں اصلوں، (یعنی طیبات اور خبائث) کے درمیان بہت سی چیزیں ہیں جنھیں کسی ایک اصل سے ملایا جا سکتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایسی وضاحت کی جس سے معاملہ واضح ہو جائے۔ آپ نے سب کچلی والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کو کھانے سے منع فرما دیا اور گھریلو گدھوں کو کھانے سے منع کیا اور فرمایا کہ وہ ناپاک ہیں... گویا (احادیث میں

مذکور) یہ سب باتیں خبائث کی اصل سے الحاق کے معنی کی طرف راجع ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ، سرخاب، خرگوش اور اس سے ملتی جلتی چیزوں کا پاکیزہ چیزوں (طیبات) کی اصل سے الحاق کر دیا ہے۔''[3]

بہر حال، یہ چند مثالیں ہیں۔ ''میزان'' کی ہر بحث قرآن و سنت اور احادیث کے باہمی تعلق کو اِسی طریقے سے بیان کرتی ہے، جس سے قرآن و سنت کا اصل یا مستقل بالذات دین کو بیان کرنا اور احادیث کا اُس کی تفہیم و تبیین کرنا پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اِس میں اگر کوئی شخص نقد یا اختلاف کر سکتا ہے تو اِس قدر کر سکتا ہے کہ غامدی صاحب نے قرآن و سنت کے احکام اور احادیث میں مذکور اُن کی تفہیم و تبیین میں جو نسبت اور تطبیق پیدا کی ہے، وہ فلاں فلاں پہلوؤں سے درست نہیں ہے، مگر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اُنھوں نے، معاذ اللہ، احادیث سے صرفِ نظر کیا ہے یا اُن کا استخفاف یا انکار کیا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ غامدی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم و تبیین کو اللہ تعالیٰ کی تائید و تصویب سے متصف سمجھتے ہیں اور اِس بنا پر وہ آپ کی ہر تشریح، ہر توضیح، ہر تفریع، ہر فیصلے، ہر اجتہاد اور قیاس کو خطا سے پاک سمجھتے اور من جملۂ دین قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے، اِس لیے دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم، بلکہ سب عالموں کے امام بھی آپ ہی تھے۔ دین کے دوسرے عالموں سے الگ آپ کے علم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ کا علم بے خطا تھا، اِس لیے کہ اُس کو وحی کی تائید و تصویب حاصل تھی۔'' (مقامات 174)

---

[3]۔ الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ، (مترجم: کیلانی، مولانا عبد الرحمٰن)، لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، 2006ء، 4/55۔

محمد حسن الیاس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

انبیا کی تعلیمات کا دائرہ اُن کی اپنی قوموں تک محدود اور اُن کی ہدایت زمان و مکان کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ اِس زمانے کے بعض لوگوں کی جانب سے سامنے آیا ہے۔ اُن کے مطابق تمام انبیا اپنی اپنی قوموں میں مبعوث کیے گئے اور اُن کی تعلیمات اُنھی کی رعایت سے تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی عرب قوم کی طرف ہوئی اور آپ کی دعوت بھی عربوں کے حالات، زبان اور تہذیبی پس منظر کے مطابق تھی، لہٰذا یہ دعوت بھی عربوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ مزید برآں، قرآن مجید اپنے خطاب میں اِس دعوت کو عربوں تک محدود رکھتا ہے اور اپنے اولین مخاطبین کو اس بات کا مکلف نہیں ٹھہراتا کہ وہ اِسے پوری دنیا تک پہنچائیں۔

تاہم، اس کے برعکس مسلمانوں کا عمومی موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پوری انسانیت کے لیے تھی اور قرآن مجید کا پیغام آفاقی ہے، جو تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے ہے۔ اس مضمون میں ہم قرآن کی روشنی میں اِسی نقطۂ نظر کے دلائل پیش کریں گے۔

قرآن مجید کے مطابق انبیا جو ہدایت لے کر آتے ہیں، وہ اپنی حقیقت میں ہمیشہ یکساں، اپنے پیغام میں عالم گیر اور اپنے اثرات میں آفاقی ہوتی ہے۔ کوئی پیغمبر نئی دعوت لے کر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ	”اُس نے تمھارے لیے وہی دین
نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا	مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اُس نے
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى	نوح کو فرمائی اور جس کی وحی، (اے

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ.

(الشوریٰ 13:42)

پیغمبر)، ہم نے تمھاری طرف کی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ (اپنی زندگی میں) اِس دین کو قائم رکھو اور اِس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ تم جس چیز کی طرف اِن مشرکوں کو بلا رہے ہو (کہ یہ خدا کو ایک مانیں)، وہ اِن پر بہت شاق گزر رہی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنی طرف آنے کے لیے چن لیتا ہے، لیکن اپنی طرف آنے کی راہ وہ اُنھی کو دکھاتا ہے جو اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔‘‘

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام انبیا اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی دین کی دعوت لے کر آئے تھے۔ تاہم، اِس ہدایت کی پیشکش مخاطبین کی رعایت سے تبدیل ہوتی رہی ہے، کیونکہ پیغمبر جس قوم میں مبعوث ہوتے ہیں، اُس قوم کی تاریخ، زبان، کردار اور رسوم و آداب مختلف ہو سکتے ہیں۔ اِسی طرح انحراف کی نوعیت بھی مختلف ہو سکتی ہے، لیکن پیغمبر کی دعوت کے مشمولات، اِس خاص پس منظر کے باوجود، اپنی اساس اور معنویت میں بنی نوع انسان کے لیے مینارۂ علم و ہدایت ہوتے ہیں۔

اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے عالمی مرکز کو شرک کی آلایشوں سے پاک کیا۔ اس انحراف کو پروان چڑھانے والے، بلا شبہ قریش تھے، جو تاریخی اعتبار سے حرم کے پروہت تھے۔ یہ عرب قوم تھی جس کی ایک زبان، ثقافت اور شرک کے مخصوص مظاہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اُن کی تاریخی حیثیت کی رعایت سے مخاطب کیا اور اُن کے باطل عقائد و نظریات کی تردید کی۔ تاہم، جو پیغام آپ نے اُنھیں پہنچایا، وہ یہ تھا کہ ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا ایک گم راہی اور برائی ہے۔ پیغمبر کا یہ دعویٰ اپنی حقیقت میں ایک آفاقی صداقت اور مسلمہ اخلاقی سچائی تھا، جس کا تعلق محض عربوں تک محدود نہیں تھا۔

لہٰذا انبیا کی تعلیمات اور دعوت کے مشمولات اپنی اصل کے اعتبار سے کبھی بھی زمان و مکان کی قید میں محدود نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنے وجود میں ایک عالم گیر پیغام، آفاقی صداقت اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا منبع ہوتے ہیں۔

پیغمبر جب یہ ہدایت لے کر قوم میں مبعوث ہوتے ہیں تو سب سے پہلے انسان کی فطرت میں موجود اُس الہامی شعور کو بیدار کرتے ہیں جو ہر انسان کو خیر و شر کی تمیز کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ تاہم، بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان کا فطری شعور کافی نہیں ہوتا یا تفصیلات اور عملی اطلاق میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایسے مواقع پر پیغمبر شریعت اور قانون کے ذریعے سے انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ قانون تین نوعیت کے احکامات پر مشتمل ہوتا ہے:

پہلی نوعیت کے وہ احکام ہیں جو مبنی بر علت ہیں، یعنی جنھیں کسی حقیقت کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔ جب وہ حقیقت موجود ہو گی تو حکم پر عمل کیا جائے گا اور جب وہ حقیقت موجود نہیں ہو گی تو حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔

مثلاً شریعت نے وراثت میں بیٹوں کو بیٹیوں سے دگنا دینے کا حکم دیا ہے، جس کی وجہ اُن کی معاشرتی اور عملی منفعت میں فرق ہے۔ چنانچہ جب تک یہ حقیقت قائم رہے گی، قانون پر عمل بھی باقی رہے گا۔ اسی طرح عدت کی علت استبرائے رحم ہے۔

بعض اوقات یہ علت سدّ ذریعہ (احتیاطی تدابیر) کے طور پر حکم میں موجود ہوتی ہے۔

مثلاً لین دین میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا۔ یہاں حکم دیتے وقت ایک ممکنہ نزاع سے بچنے کا مقصد پیش نظر تھا۔ اگر اس نزاع کے خاتمے کے لیے کوئی متبادل طریقہ اختیار کر لیا جائے تو شریعت کا منشا پورا ہو جاتا ہے اور اصل ہدایت پر عمل ضروری نہیں رہتا۔

دوسری نوعیت کے وہ احکام ہیں جو انسان اور خدا کے تعلق میں خدا کے انتخاب پر مبنی ہیں۔

مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ یعنی خدا کی اطاعت، پرستش اور نذر میں کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ چونکہ یہ خدا کے مطالبات ہیں، لہٰذا اُس نے اپنا مطلوب طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر انسان کو ان پر عمل کرنے میں دشواری پیش آئے تو خود خدا نے ان میں رخصت کے اصول بھی متعین کر دیے ہیں۔

تیسری نوعیت کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق رسولوں کی مخصوص قوموں کے اصطفا سے تھا،

یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل سے۔ اِن قوموں کو اُن کی منصبی حیثیت سے کچھ احکام دیے گئے:

مثلاً رسول کے اتمامِ حجت کے بعد نہ ماننے والوں پر سزا کا نفاذ۔ یہ احکام ان اقوام کو ایک خصوصی حیثیت اور متعین مشن کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دیے گئے تھے۔ اس نوعیت کے دینی احکام کی تفصیل اور اُن کی تخصیص کے وجوہات خود قرآن مجید نے بیان کر دیے ہیں۔ ان قوموں کے علاوہ کوئی اور شخص ان احکام کا مخاطب نہیں ہے، چنانچہ وہ ان پر عمل کرنے کا پابند بھی نہیں ہے۔

یہ اُس ہدایت کی تفصیل تھی جو پیغمبر لے کر آتے ہیں۔ اب آتے ہیں اس سوال کی طرف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت لے کر آئے، اس دعوت کو پہنچانے کے حوالے سے آپ کو اور آپ کی قوم کو قرآن مجید نے کیا ہدایات دیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث فرمایا تو سب سے پہلی ہدایت یہ فرمائی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء 214:26)	”اور اپنے قریبی خاندان والوں کو بھی اِس سے خبردار کر دو۔“

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاندان تھا جس کے پاس بیت اللہ کی تولیت تھی۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مزید واضح فرما دی:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا. (الانعام 92:6)	”یہ (اُسی کتاب کی طرح) ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے، بڑی خیر و برکت والی ہے، جو کچھ اِس سے پہلے آ چکا ہے، اُس کی تصدیق کرتی ہے، اِس لیے کہ تم اِس کے ذریعے سے لوگوں کو خوش خبری دو اور اِس لیے کہ اُنھیں متنبہ کر دو جو ام القریٰ اور اُس کے گرد و پیش کے رہنے والے ہیں۔“

چنانچہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاً مخاطبین بنی اسمٰعیل ہی تھے اور آپ کو ان تک دعوت پہنچانے کی ذمہ داری دی گئی۔ آپ انھی کے لیے عدالت بن کر

آئے، لیکن جو پیغام قرآن مجید کی صورت میں آپ پہنچا رہے تھے، کیا وہ صرف بنی اسمٰعیل کے لیے تھا؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ. (الانعام 19:6)

”اور میری طرف یہ قرآن اِس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اِس کے ذریعے سے میں تمھیں خبردار کر دوں اور اُنھیں بھی جنھیں یہ پہنچے۔“

یعنی بنی اسمٰعیل کے علاوہ بھی جس شخص تک یہ پہنچ جائے، اُس کے لیے ہدایت ہے۔ استاذ جاوید احمد غامدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”یہ وہی بات ہے جو سورۂ فرقان (25) میں ’لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا‘ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ قرآن روز قیامت تک ذریعۂ انذار ہے۔ علما جب اِس کی دعوت لے کر اُٹھیں تو اُنھیں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجاے اِسی کو ذریعۂ انذار بنانا چاہیے۔ خدا کی معرفت اور عقبیٰ شناسی کے لیے اِس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے جو لوگوں کو بیدار کر سکے۔“

(البیان 20/2)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل کو بھی پابند کیا کہ جو ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تک پہنچائی ہے، اسے باقی دنیا تک پہنچائیں، اس ذمہ داری کو قرآن مجید نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا. (البقرہ 143:2)

”اِسی طرح ہم نے تمھیں بھی ایک درمیان کی جماعت بنا دیا ہے تاکہ تم دنیا کے سب لوگوں پر (حق کی) شہادت دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر یہ شہادت دے۔“

استاذ جاوید احمد غامدی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اصل میں لفظ ’وَسَط‘ استعمال ہوا ہے۔ یہ ’ولد‘ کی طرح مذکر، مونث، واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِس کے معنی درمیان کے ہیں اور اِس آیت میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی قوم بنی اسمٰعیل کے لیے آیا ہے۔ سورۂ حج (22) کی آیت 78 میں 'هُوَ اجْتَبٰكُمْ' کے الفاظ دلیل ہیں کہ اُنھیں اللہ تعالیٰ نے دین کی اِس شہادت کے لیے اُسی طرح منتخب کیا، جس طرح وہ بنی آدم میں سے بعض جلیل القدر ہستیوں کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی اِس آیت میں قرآن نے اِسی بنا پر اُنھیں درمیان کی ایک جماعت 'اُمَّةً وَّسَطًا' قرار دیا ہے، یعنی وہ جماعت جس کے ایک طرف اللہ و رسول اور دوسری طرف دنیا کی سب اقوام تھیں اور وہ اُن پر حق کی شہادت کے لیے مامور کیے گئے۔ شہادت کے معنی گواہی کے ہیں۔ جس طرح گواہی سے فیصلے کے لیے حجت قائم ہو جاتی ہے، اُسی طرح حق جب اِس درجے میں واضح کر دیا جائے کہ اُس سے انحراف کی گنجایش باقی نہ رہے تو اُسے 'شہادت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا جماعت کو اپنی دینونت کے ظہور کے لیے منتخب فرماتے اور پھر قیامت سے پہلے ایک قیامت صغریٰ اُن کے ذریعے سے اِسی دنیا پر برپا کر دیتے ہیں۔ اُنھیں بتا دیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہیں گے تو اِس کی جزا اور انحراف کریں گے تو اِس کی سزا اُنھیں دنیا ہی میں مل جائے گی۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کا وجود لوگوں کے لیے ایک آیت الٰہی بن جاتا ہے اور وہ خدا کو گویا اُن کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے اور عدالت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اِس کے ساتھ اُنھیں حکم دیا جاتا ہے کہ جس حق کو وہ بچشم سر دیکھ چکے ہیں، اُس کی تبلیغ کریں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت بے کم و کاست اور پوری قطعیت کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیں۔ یہی شہادت ہے۔ یہ جب قائم ہو جاتی ہے تو دنیا اور آخرت، دونوں میں فیصلۂ الٰہی کی بنیاد بن جاتی ہے۔'' (البیان 1 / 143-142)

قرآن مجید نے اپنے اولین مخاطبین، یعنی بنی اسمٰعیل کو بہ طور قوم ''شہادت'' کے منصب پر فائز کیا اور انھیں یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اللہ کے پیغام کو دنیا کے ہر گوشے تک پہنچائیں تاکہ حق و باطل کا حتمی فیصلہ ہو جائے اور خدا کی ہدایت پوری دنیا میں عام ہو جائے۔ اس عظیم ذمہ داری کا آغاز صحابۂ کرام نے کیا، جب انھوں نے اپنے عہد کے یہود، نصاریٰ اور گرد و نواح کی ریاستوں تک یہ پیغام پہنچایا۔ قرآن کی ابتدائی سورتیں اِسی دعوت کی سرگذشت بیان کرتی ہیں، جو رفتہ رفتہ اکنافِ عالم تک پھیلتی چلی گئی۔

صحابۂ کرام کے بعد بنی اسمٰعیل نے اپنی استطاعت اور وسائل کے مطابق اللہ کے پیغام کو دنیا

کے ہر گوشے تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھائی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ جب یہ دعوت غیر بنی اسمٰعیل تک پہنچی اور ہمیں یقین ہو گیا کہ قرآن اور سنت کی صورت میں یہ واقعی اللہ کی سچی ہدایت ہے تو ہم نے بھی اس پر ایمان لا کر اس کا مطالعہ شروع کیا۔

جیسے ہی ہم قرآن اور سنت کا مطالعہ کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور شریعت ہمارے سامنے بھی اسی طرح واضح ہو جاتی ہیں، جس طرح وہ صحابۂ کرام اور ابتدائی مخاطبین کے سامنے تھی۔ اس طرح یہ ہدایت ہمارے لیے بھی اتنی ہی اہم اور لازمی ہو جاتی ہے، جتنی بنی اسمٰعیل کے لیے تھی، کیونکہ یہ پیغام کسی ایک قوم تک محدود نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو اس ہدایت کو سچے دل سے قبول کرتا ہے، وہ اس سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے مخاطبین کو نماز کی ہدایت دی تو فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ 21:2)	”تم اپنے اُس پروردگار کی بندگی کرو، لوگو، جس نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلوں کو بھی، اِس لیے کہ تم (اُس کے عذاب سے) بچے رہو۔“

یہ آیت اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطبین کے لیے تھی، لیکن عبد اور معبود کے رشتے کی بنیاد پر جو عبادت مطلوب ہے، وہ خدا پر ایمان لانے کے بعد ہم پر بھی اسی طرح لازم ہو جاتی ہے، کیونکہ ہم بھی عبد کے مقام پر آ جاتے ہیں اور اپنے معبود کی ہدایت کے پابند ہو جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الزاریات 56:51)	”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اِس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں، (اور اُن سے تقاضا بھی یہی ہے)۔“

چنانچہ ایمان، اخلاق اور شریعت کے وہ احکام جو بنی اسمٰعیل پر بہ طور انسان لازم تھے، ہمارے لیے بھی ویسے ہی لازمی ہیں، کیونکہ ہمیں بھی اللہ کے ساتھ تعلق کے اظہار اور فطرت کی ہدایت

کی تفصیل کی ویسی ہی ضرورت ہے، جیسی بنی اسمٰعیل کو تھی۔ خدا کے قانون، یعنی شریعت کے ہم بھی اسی طرح پابند ہیں، جس طرح وہ قوم تھی۔ گویا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِس اعتبار سے پوری خلقت کے لیے ہوئی ہے، قرآن مجید نے اس بات کو صریح الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ. (سبا 28:34)

”ہم نے، (اے پیغمبر)، تم کو جو بھیجا ہے تو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن (افسوس ہے کہ) اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

استاذ جناب جاوید احمد غامدی اِس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات قرآن میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح آپ کی بعثت محض اپنی قوم کی طرف نہیں، بلکہ تمام خلق کی طرف ہوئی ہے۔ اپنی قوم کے اعیان و اکابر کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر آپ نے اِسی بنا پر اوس و خزرج کے لوگوں کو دعوت دی اور اُن کے بعد اہل کتاب اور اپنے گرد و پیش کے حکمرانوں کو بھی۔ اِس کے نتیجے میں جو لوگ ایمان لائے، یہ اُنھی کی مدد تھی جس سے عالمی سطح پر اتمام حجت کا اہتمام ممکن ہوا اور نبوت و رسالت کا منصب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا۔ اب اِس دعوت کا ابلاغ اُس امت کی ذمہ داری ہے جو نسلاً بعد نسلٍ اُنھی انصار کے تابعین اور تبع تابعین کی حیثیت سے دنیا میں موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لوگوں کو بھی خدا نے یہ سعادت عطا فرمائی کہ بعد میں اُن کی بڑی اکثریت ایمان لا کر اُس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئی جسے قرآن میں ذریت ابراہیم کا منصب شہادت کہا گیا ہے۔“ (4/196)

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور انبیا کی ہدایت کا ہر پہلو ہم سے بھی اسی طرح متعلق ہو جاتا ہے، جس طرح پہلی قوم سے تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ہدایت کسی ایک قوم یا زمانے تک محدود نہیں۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ تمام انبیا ایک ہی دین کی دعوت لاتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھی پوری انسانیت کے لیے ہے۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(15)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

(یہ عبادت ہے جس کی راہ روکنے والوں سے تم کو لڑنا ہے) اور (اِدھر صورت حال یہ ہے کہ تمھارے) لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں کہ جن کی باتیں تو اِس دنیا کی زندگی میں تمھیں بھلی معلوم ہوتی ہیں، اور وہ اپنے دل کے ارادوں پر اللہ کو گواہ بھی بناتے ہیں، لیکن ہیں وہ بدترین دشمن۔ (تمھارے سامنے وہ یہی کرتے ہیں) اور جب وہاں سے ہٹتے ہیں تو اُن کی ساری تگ و دو اِس لیے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد پھیلائیں اور کھیتیوں کو غارت کریں اور نسلیں تباہ و برباد کریں، اور (تم جانتے ہو کہ) اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو گناہ پر آمادگی کے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ساتھ اُن کا غرور اُنھیں دامن گیر ہو جاتا ہے۔ سو اُن کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔204-206

اور اِنھی لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کھپا دینے کے لیے تیار ہیں۔ (یہی ہیں کہ جن سے کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ اُسے معاف کر دیتا ہے)، اور اِس طرح کے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔207

ایمان والو، (ایمان کے ساتھ یہ دورویے نہیں ہو سکتے، اِس لیے) تم سب (ایک ہی طریقے سے) اللہ کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اِن کھلی ہوئی تنبیہات کے بعد بھی جو تمھارے پاس آئی ہیں، اگر تم لغزش کھاتے ہو تو جان لو کہ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔208-209

(اِس اتمام حجت کے باوجود) کیا یہ اِسی کے منتظر ہیں کہ اللہ اور اُس کے فرشتے بدلیوں کے سایے میں اِن پر نمودار ہو جائیں اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے؟ (لیکن یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) اور اِس طرح کے معاملات تو اللہ ہی کے حوالے ہیں۔ بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے اُن کو کتنی واضح نشانیاں دیں، (مگر اِس سے کیا فائدہ ہوا)؟ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی (ہدایت جیسی) نعمت کو پا لینے کے بعد اُس کو (گم راہی سے) بدلتے ہیں، وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے، اِس لیے کہ اللہ سخت مواخذہ کرنے والا ہے۔ دنیا کی زندگی اِن منکروں کے لیے بڑی دل پسند بنا دی گئی ہے۔ (اِس کے انجام سے اِنھیں آگاہ کیا جائے تو نہیں سنتے) اور ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، دراں حالیکہ خدا سے ڈرنے والے قیامت کے دن اِن کے مقابلے میں عالی مقام ہوں گے۔ (یہ اُن کے لیے اللہ کا فضل ہے) اور اللہ جس کو چاہے گا، اپنا فضل بے حساب عطا فرمائے گا۔210-212

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

(اپنی منافقت کے لیے یہ اختلافات کو بہانہ بناتے ہیں۔ اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر (اُن میں اختلاف پیدا ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور انذار کرتے ہوئے اور اُن کے ساتھ قول فیصل کی صورت میں اپنی کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان وہ اُن کے اختلافات کا فیصلہ کر دے۔ یہ جن کو دی گئی، اِس میں اختلاف بھی اُنھی لوگوں نے کیا، نہایت واضح دلائل کے اُن کے سامنے آجانے کے بعد، محض آپس کے ضدم ضدا کی وجہ سے۔ پھر یہ جو (قرآن کے) ماننے والے ہیں، اللہ نے اپنی توفیق سے اُس حق کے بارے میں اِن کی رہنمائی کی جس میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) سیدھی راہ کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔213

(یہ منافق سمجھتے ہیں کہ اِن پر کوئی ذمہ داری ڈالے بغیر ہی اِس راہ کی سب مشکلیں اللہ کی مدد سے دور ہو جانی چاہییں۔ خدا کے بندو)، تمھارا خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، دراں حالیکہ تمھیں وہ حالات ابھی پیش ہی نہیں آئے جو (رسولوں کی بعثت کے نتیجے میں) اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے گزرے ہیں؟ اُن پر آفتیں آئیں، مصیبتیں گزریں اور وہ ہلا مارے گئے، یہاں تک کہ رسول اور اُس کے ساتھ ایمان لانے والے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اُس وقت بشارت دی گئی کہ) سنو، اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔214

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اچھا، پھر کیا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جتنا مال بھی خرچ کرو گے، وہ تمھارے والدین، اعزہ و اقربا، اور (تمھارے ہی معاشرے کے) یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، (اِس لیے جتنی ہمت ہے، خرچ کرو) اور (مطمئن رہو کہ) جو نیکی بھی تم کرو گے، وہ ہرگز ضائع نہ ہو گی، اِس لیے کہ اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔215

[باقی]

ترجمہ و تحقیق: جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس

— 1 —

عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: لوگو، سنو، میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ آج جو باتیں اُس نے مجھے سکھائی ہیں اور جن سے تم ناواقف ہو، وہ میں تمھیں سکھا دوں۔ میرے رب نے فرمایا ہے کہ ہر وہ مال جو میں نے اپنے کسی بندے کو دے دیا ہے، وہ اُس کے لیے حلال ہے۔ اور میں نے اپنے سب بندوں کو حق کی طرف رجوع کرنے والا بنا کر پیدا کیا ہے، لیکن پھر شیاطین نے اُن کے پاس آ کر اُن کے دین سے اُنھیں پھیر دیا۔ اور میں نے اپنے بندوں کے لیے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، اُنھوں نے وہ اُن کے لیے حرام کر دیں اور اُن کو ترغیب دی کہ میرے ساتھ اُن کو شریک ٹھیرائیں جن کے لیے میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے اور ترغیب دی کہ میری بنائی ہوئی ساخت کو تبدیل کر دیں۔ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر ڈالی تو اہل کتاب کے کچھ بچے ہوئے لوگوں کے سوا وہ اُن کے سب عرب و عجم سے ناراض ہوا اور فرمایا: اے محمد، میں نے تمھیں اِس لیے بھیجا ہے کہ تم کو آزماؤں اور تمھارے ذریعے سے دوسروں کو بھی آزماؤں۔ اور میں نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جسے کوئی پانی نہیں دھو سکے گا اور تم سوتے جاگتے اِس کتاب کو پڑھو گے، اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں قریش کو جلا ڈالوں۔ اِس پر میں نے عرض کیا کہ پروردگار، میں یہ کروں تو قریش کے لوگ تو میرا سر پھاڑ کر اُسے کھائی ہوئی

روٹی بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اُن کو نکلنے کے لیے کہنا، جس طرح اُنھوں نے تمھیں نکلنے کے لیے کہا ہے اور اُن سے جنگ کرنا، ہم بھی تمھارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اور تم اپنے مجاہدین پر خرچ کرنا، عنقریب ہم بھی تم پر عنایت فرمائیں گے، اور اپنا لشکر روانہ کرنا، ہم اُس کے ساتھ پانچ گنا لشکر مزید روانہ کر دیں گے، اور تم یہ قتال اپنے فرماں برداروں کو لے کر اُن کے ذریعے سے اپنے نافرمانوں کے ساتھ کرنا۔ (مسلم، رقم 5113)

— 2 —

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین بنائے گئے اور عربوں میں سے جنھوں نے انکار کرنا تھا، اُنھوں نے انکار کر دیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر سے کہا: آپ اِن لوگوں سے کس طرح لڑیں گے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر چکے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں، پھر جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا، اُس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے محفوظ کر لی، الاّ یہ کہ اُن سے متعلق کوئی حق اُس پر قائم ہو جائے، اور اُس کا حساب اللہ کے ذمے ہے؟ سیدنا ابو بکر نے یہ سنا تو فرمایا: خدا کی قسم، میں اُن لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، اِس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم، جانور کو باندھنے کی ایک رسی بھی اُنھوں نے مجھ سے روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اِس روکنے پر اُن سے لڑوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا، بات یہ تھی کہ ابو بکر کو اللہ نے اِس جنگ کے لیے شرح صدر عطا کر دیا تھا، سو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔ (السنن الصغریٰ، نسائی، رقم 3059)

— 3 —

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ اِس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اِس بات کی گواہی دیں کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں، اور وہ ہمارے

قبلے کا رخ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہمارے طریقے پر نماز پڑھیں۔ پھر جب وہ یہ شرطیں پوری کر دیں تو اُن کے خون اور اُن کے اموال ہم پر حرام ہوں گے، الاّ یہ کہ اُن سے متعلق کسی حق کے تحت یہ حرمت اٹھالی جائے۔ اُن کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور اُن پر وہی ذمہ داری ڈالی جائے گی جو مسلمانوں پر ڈالی جاتی ہے۔ (ترمذی، رقم 2550)

مقامات

جاوید احمد غامدی

دین فطرت

اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو اُس کے جن خصائص کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہی اُس کی فطرت ہے۔ انسان کی خلقت میں اِن خصائص کا ظہور اُس کے جبلی داعیات، جذبات و احساسات اور اُس کے اضطراری علم کی صورت میں ہوتا ہے۔ اِن کے لیے جو چیز سب سے بڑے محرک کا کردار ادا کرتی ہے، وہ انسان کے اندر ظاہر و باطن میں حسن و قبح کا شعور ہے۔ یہ جیسے ہی بیدار ہو جاتا ہے، اشیا اور افعال، دونوں پر اپنا حکم لگانا شروع کر دیتا ہے۔ انسان کے خالق نے یہ حکم اُس کی پیدایش کے ساتھ ہی اُس کے اندر الہام کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی اُسی علم کا حصہ ہے، جسے ہم نے اوپر اضطراری علم سے تعبیر کیا ہے۔ نطق و بیان کی صلاحیت اِس کے بعد اِس کے لیے الفاظ کا پیرہن تیار کرتی ہے۔ یہ الہام خود انسان سے متعلق جن چیزوں پر حکم لگاتا ہے، وہ اصلاً تین ہی ہیں:

ایک، بدن کا حسن، جس کا لازمی نتیجہ طہارت اور نجاست کے مابین فرق کا شعور ہے۔

دوسرے، خورونوش کی چیزوں کا حسن، جس کا لازمی نتیجہ اُن کے طیبات و خبائث کے مابین فرق کا شعور ہے۔

تیسرے، نیت، ارادے اور اعمال کا حسن، جس کا لازمی نتیجہ معروف اور منکر کے مابین فرق کا

شعور ہے۔

انسان وارفتۂ حسن ہے، اور اِن سب چیزوں کا حسن جہاں اپنے منتہاے کمال پر ظاہر ہو گا، وہ فردوس بریں ہے۔ چنانچہ انسان کا نصب العین بھی وہی ہے، اور اُس کے لیے وہ محبت کے غیر معمولی جذبات اور اُس کو پا لینے کی شدید خواہش کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ یہ اِسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں اُس کی تمام جد و جہد کا مقصود بھی ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اِس کو کسی نہ کسی درجے میں اپنے لیے فردوس بنا لینے میں کامیاب ہو جائے۔ وہ اِسی مقصد سے جیتا، اِسی کے لیے مرتا، اِسی کے لیے رہنماؤں کے بت تراشتا، اُن کی پرستش کرتا، اُن کے دکھائے ہوئے خوابوں کو حقیقت بنا دینے کے لیے جان و مال کی قربانی پیش کرتا اور آنے والے زمانوں میں کبھی اساطیر اور کبھی علم کے تراشیدہ مسیحاؤں کا منتظر رہتا ہے۔ پھر یہی نہیں، اِس سے آگے وہ اپنی اِس جد و جہد کے حق میں فلسفے بھی ایجاد کر ڈالتا ہے۔

اللہ کے نبی انسان کو دنیا پرستی کے اِسی رویے پر متنبہ کر دینے اور اِس کے پیدا کیے ہوئے حجابات کو اٹھا کر حسن فردوس کا جلوہ اُس کو کسی حد تک اُس کی اِسی زندگی میں دکھا دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں۔ دین حق اِسی حسن کا سراپا اور اِس کے منتہاے کمال پر اِس کو پا لینے کی دعوت ہے۔ چنانچہ فردوس میں داخل ہونے سے پہلے اُس کے ماحول سے ہم آہنگ ہو جانے کے لیے وہ اپنی اِس دعوت میں جن چیزوں کو اختیار کر لینے کی ہدایت کرتا ہے، وہ بھی اصلاً تین ہی ہیں:

ایک، تطہیر بدن۔

دوسرے، تطہیر خورونوش۔

اور تیسرے، خلق اور خالق، دونوں کے ساتھ انسان کے تعلقات و روابط کی تطہیر۔ اِسے ہم مختصر طریقے پر تطہیر اخلاق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ارشاد فرمایا ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (المائدہ 6:5)

”اللہ تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا، لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ تمھیں پاکیزہ بنائے، اور چاہتا ہے کہ اپنی نعمت تم پر تمام کرے تاکہ تم اُس کے شکر گزار ہو۔“

اِسی طرح فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ ۡ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ.

(الاعراف 157:7)

”(اپنی رحمت میں اُن لوگوں کے حق میں لکھ رکھوں گا) جو اِس نبی امی رسول کی پیروی کریں گے، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ اُنھیں بھلائی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اُن کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ٹھیراتا ہے، اور اُن کے اوپر سے اُن کے وہ بوجھ اُتارتا اور بندشیں دور کرتا ہے، جو اب تک اُن پر رہی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے جو قانون و حکمت دین حق کی حیثیت سے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے نازل کیا ہے، وہ اِنھی تین چیزوں کی تفصیلات اور اِن کے لوازم و مقتضیات کا بیان ہے۔ اِس کو ہم دین فطرت اِسی لحاظ سے کہتے ہیں۔ چنانچہ دیکھیے، فرمایا ہے:

فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ.

(الروم 30:30)

”سو ایک خدا کے ہو کر تم اپنا رخ اب اُس کے دین کی طرف کیے رہو۔ تم اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو، (اے پیغمبر)، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اِس فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

سید منظور الحسن

شق القمر

غامدی صاحب کا موقف

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(16)

شق قمر کا مشاہدہ نہ کرنے والے اصحاب کی روایات

شق قمر کی روایت کرنے والوں میں عینی شاہدین کے علاوہ وہ اصحاب بھی شامل ہیں، جنھوں نے اِس واقعے کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اُن میں سے بعض مدینہ میں تھے، بعض کم سن تھے اور بعض ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اِن میں سے حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نمایاں ہیں۔ اِن کی روایات درجِ ذیل ہیں:

1۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدنی صحابی ہیں۔ یہ ہجرت سے تقریباً 30 سال پہلے

یثرب میں پیدا ہوئے۔ شق قمر کے موقع پر اِن کی عمر کم و بیش 25 سال تھی اور یہ یثرب (مدینہ) میں مقیم تھے۔ اِن سے منقول روایت کا خلاصہ یہ ہے:

* ''مصنف عبد الرزاق'' میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جمعے کا خطبہ دیتے ہوئے پہلے سورۂ قمر کی آیات پڑھیں اور پھر اِس واقعے کا ذکر کیا۔

* اُنھوں نے بتایا کہ شق قمر کا واقعہ چونکہ ظاہر ہو چکا ہے، اِس لیے اب قیامت بہت قریب ہے۔

روایت یہ ہے:

عن ابن عيينة، عن عطاء بن السائب، عن أبي عبد الرحمن السلمي قال: سمعت حذيفة يوم الجمعة وهو على المنبر قرأ: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، فقال: قد اقتربت الساعة وقد انشق القمر فاليوم المضمار وغدًا السباق. (رقم 5285)

''ابن عیینہ بیان کرتے ہیں، اُن سے عطا بن سائب بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد الرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ اُنھوں نے سورۂ قمر کی ابتدائی آیات تلاوت کیں: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ پھر فرمایا: قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو چکا ہے۔ چنانچہ آج کا دن تیاری کا دن ہے اور کل کا دن سبقت کر کے آگے بڑھنے کا دن ہو گا۔''

2۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ہجرت سے دس گیارہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ شق قمر کے موقع پر اِن کی عمر تقریباً پانچ چھ سال تھی۔ اِن سے منقول ترمذی اور مستدرک کی روایتوں کا خلاصہ یہ ہے:

* ترمذی کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔

* آپ نے فرمایا تھا: تم لوگ گواہ رہنا۔
* حاکم کی ”مستدرک علی الصحیحین“ میں اِس پر یہ اضافہ ہے کہ چاند کا ایک ٹکڑا سامنے رہا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔

دونوں روایتیں درج ذیل ہیں:

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا ابو داؤد، عن شعبة، عن الاعمش، عن مجاهد، عن ابن عمر، قال: انفلق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اشهدوا. (ترمذی، رقم 2182)

”ہم سے محمود بن غیلان نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے ابوداؤد نے بیان کیا، اُن سے شعبہ نے بیان کیا، اُن سے اعمش نے اور اُن سے مجاہد نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ گواہ رہو۔“

فحدثناه أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا إبراهيم بن مرزوق البصري بمصر، ثنا أبو داؤد الطيالسي، ثنا شعبة، عنِ الاعمشِ، عن مجاهد، عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه، فِي قوله عز وجل: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. قال: كان ذلك على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، انشق القمر فلقتين فلقة من دون الجبل، وفلقة خلف الجبل. فقال النبي صلى الله عليه وسلم:

”ہم سے ابو عباس محمد بن یعقوب نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے ابراہیم بن مرزوق بصری نے مصر میں بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے ابوداؤد طیالسی نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ مجھ سے شعبہ نے بیان کیا، اُن سے اعمش نے بیان کیا، اُن سے مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ قمر کی ابتدائی آیت کی شرح کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

اللھم اشھد.
(المستدرک للحاکم، رقم3759)

میں چاند دو ٹکڑوں میں شق ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے سامنے تھا اور دوسرا اُس کے پیچھے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پروردگار میں گواہی دیتا ہوں۔‘‘

3۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں۔ اِن کی پیدایش ہجرت سے 3 سال قبل شعبِ ابی طالب میں ہوئی تھی۔ شق قمر کا واقعہ اِن کی پیدایش سے پہلے کا ہے۔ بخاری و مسلم میں درج اُن سے منقول روایت کے مطابق اُنھوں نے فقط اتنی بات بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔

روایت کے مختلف طرق درجِ ذیل ہیں:

حدثنا یحیی بن بکیر، قال: حدثنی بکر، عن جعفر، عن عراك بن مالك، عن عبید اللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة بن مسعود، عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما، قال: انشق القمر فی زمان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (بخاری، رقم4866)

’’ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے بکر نے بیان کیا، اُن سے جعفر نے، اُن سے عراک بن مالک نے، اُن سے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔‘‘

حدثنا موسی بن قریش التمیمی، حدثنا إسحاق بن بکر بن مضر، حدثنی ابی، حدثنا جعفر بن ربیعة،

’’ہم سے موسیٰ بن قریش بن التمیمی نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے اسحاق بن بکر بن مضر نے بیان کیا، اُنھوں نے

عن عراك بن مالك، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، عن ابن عباس، قال: إن القمر انشق على زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم، رقم 7257)

کہا کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے جعفر بن ربیعہ نے بیان کیا، اُن سے عراک بن مالک نے بیان کیا، اُن سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔''

4۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مدنی صحابی ہیں۔ یہ ہجرت سے دس سال پہلے یثرب میں پیدا ہوئے۔ شق قمر کے موقع پر اِن کی عمر کم و بیش پانچ سال تھی اور یہ یثرب (مدینہ) میں مقیم تھے۔ اِن سے منقول روایت کا خلاصہ یہ ہے:

* نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔
* چاند اِس طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا کہ حرا پہاڑ اِن دونوں کے درمیان نظر آنے لگا۔
* اِس موقع پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اِس پر گواہ رہنا۔

روایات درجِ ذیل ہیں:

حدثنا مسدد، حدثنا يحيى حدثنا شعبة، عن قتادة، عن انس، قال: انشق القمر فرقتين. (بخاری، رقم 4868)

''ہم سے مسدد نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، اُن سے شعبہ نے، اُن سے قتادہ نے اور اُن سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تھا۔''

وحدثنا محمد بن المثنى، حدثنا محمد بن جعفر، وابو داؤد. وحدثنا

''ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن جعفر اور

ابن بشار، حدثنا یحیی بن سعید، ومحمد بن جعفر، وابو داؤد کلھم، عن شعبة، عن قتادة، عن انس، قال: انشق القمر فرقتین، وفی حدیث ابی داؤد: انشق القمر علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.(مسلم رقم،7256)

ابوداؤد نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے ابنِ بشار نے بیان کیا، اُنھوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید، محمد بن جعفر اور ابوداؤد نے بیان کیا، اُن سے شعبہ نے بیان کیا، اُن سے قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تھا۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔"

[باقی]

تفہیم الآثار

ڈاکٹر عمار خان ناصر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم و عمل بہ طور اسوہ

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار)

(2)

(3)

عن أبي عبد الرحمن السلمي، قال: كَانَ عَمْرُو بْنُ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ السُّلَمِيُّ وَمُعَضَّدٌ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِمَا اتَّخَذُوا مَسْجِدًا يُسَبِّحُونَ فِيهِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ كَذَا، وَيُهَلِّلُونَ كَذَا وَيَحْمَدُونَ كَذَا، فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ، فَقَالَ لِلَّذِي أَخْبَرَهُ: إِذَا جَلَسُوا فَآذِنِّي، فَلَمَّا جَلَسُوا آذَنَهُ، فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بُرْنُسٌ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَكَشَفَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَنَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ، أَوْ قَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِلْمًا، فَقَالَ مُعَضَّدٌ، وَكَانَ رَجُلًا مُفَوَّهًا: وَاللّٰهِ مَا جِئْنَا بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ وَلَا فَضَلْنَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَئِنِ اتَّبَعْتُمُ الْقَوْمَ لَقَدْ سَبَقُوكُمْ سَبْقًا مُبِينًا، وَلَئِنْ جُرْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا [فَقَالَ عَمْرُو بْنُ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ يَا ابْنَ مَسْعُودٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَتَفَرَّقُوا].

(طبرانی، المعجم الکبیر، رقم 8509، 8511)

”ابو عبد الرحمٰن السلمی کہتے ہیں کہ عمرو بن عتبہ بن فرقد السلمی اور معضد اپنے کچھ ساتھیوں کے ہم راہ تھے۔ انھوں نے ایک مسجد بنائی ہوئی تھی، جس میں وہ مغرب اور عشا کے درمیان باجماعت پہلے خاص تعداد میں تسبیح کے کلمات پڑھتے تھے، پھر خاص تعداد میں کلمۂ توحید اور خاص تعداد میں حمد کے کلمات کا ورد کرتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے بتانے والے سے کہا کہ جب یہ لوگ اس مجلس میں بیٹھ جائیں تو مجھے خبر کرنا۔ جب وہ لوگ بیٹھ گئے تو اس شخص نے آکر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک چادر اوڑھ کر آئے اور ان کے درمیان جاکر اپنے سر سے چادر ہٹادی۔ پھر کہا کہ میں ام عبد کا بیٹا ہوں۔ بخدا، یا تو تم نے ایک بہت تاریک بدعت نکال لی ہے اور یا پھر تم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فضیلت رکھتے ہو۔ معضد گفتگو میں ایک جری شخص تھا۔ اس نے کہا کہ بخدا، ہم نے نہ تو کوئی تاریک بدعت نکالی ہے اور نہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم صحابہ کی جماعت کی پیروی کرو تو (یہی بہتر ہے، کیونکہ) وہ تم پر (اس دین کو اختیار کرنے میں) واضح سبقت لے چکے ہیں اور اگر تم دائیں بائیں منحرف ہونا چاہو تو بہت دور کی گم راہی میں جا پڑو گے۔ اس پر عمرو بن عتبہ نے کہا کہ اے ابن مسعود، میں اللہ سے استغفار اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہ بکھر جائیں۔“

لغوی تشریح

رَجُلًا مُفَوَّهًا: ’مفوہ، فوہ‘ سے مشتق ہے، جس کا مطلب منہ ہے۔ ’مُفَوَّہ‘ کا مطلب ہوا: زبان آور اور گفتگو میں جری۔

كَشَفَ الْبُرُنُسَ: ’برنس‘ ایسے لمبے چوغے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر پر اوڑھنے کے لیے ٹوپی بھی جڑی ہوئی ہو۔

جُرْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا: ’جرتم‘ ’جور‘ سے ہے، یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا۔ ’جائر‘، ’مستقیم‘ کی ضد ہے۔

ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ: ’بَلِيَ الثَّوبُ‘، یعنی کپڑا بوسیدہ اور پرانا ہو گیا۔

شرح و وضاحت

1۔ اجتماعی ذکر کا اہتمام کرنے والوں کو اس طریقے میں بہ ظاہر کوئی خرابی دکھائی نہیں دے رہی تھی، لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت ردعمل ظاہر کیا اور اسے گم راہی کا دروازہ کھولنے کے مترادف قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر ایک دینی عمل ہے اور اس کی نوعیت عبادت کی ہے۔ شریعت میں اس کے اہتمام کی تلقین انفرادی سطح پر کی گئی ہے اور اس طرح باجماعت تسبیحات پڑھنے کا طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نہیں سکھایا۔ اس طریقے سے ہٹ کر اجتماعی طور پر تسبیحات کا داعیہ بہ ظاہر اگرچہ اچھا تھا، لیکن اس کا نتیجہ اجتماعی عبادت کے ایک نئے طریقے کی ترویج کی صورت میں نکلتا اور آگے چل کر ایک بدعت کی صورت اختیار کر لیتا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی خرابی کے پیش نظر ان لوگوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی اور اس طریقے سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی۔

مصنف عبد الرزاق کی روایت میں 'علی ما تعدون امر اللہ؟' (تم اللہ کی تسبیح و تحمید کو شمار کیوں کر رہے ہو؟) کے جملے سے، نیز دارمی کی روایت میں 'فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ' (تم اپنے گناہ شمار کرو۔ میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہیں جائے گی) سے واضح ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح اہتمام کے ساتھ تسبیحات کے گننے کو بھی مزاج شرع کے خلاف سمجھا، حالاں کہ مخصوص تعداد میں تسبیحات پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا زاویۂ نظر یہ دکھائی دیتا ہے کہ انفرادی سطح پر تسبیحات کی خاص تعداد مقرر کرنا عملی سہولت کے پہلو سے ہے اور وہ خاص تعداد اصلاً مطلوب نہیں، لیکن اس طرح اجتماعی ہیئت میں ذکر اور تسبیح کے کلمات کو شمار کرنا یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ یہ خاص تعداد شریعت کا اصل مطلوب ہے۔ اسی پہلو سے انھوں نے یہ تبصرہ فرمایا کہ تمھیں تسبیحات کو گننے کی ضرورت نہیں، کیونکہ نیکیاں ضائع نہیں جاتیں۔ اس کے بجاے تمھیں اپنے گناہوں کو شمار کر کے ان پر استغفار کرنا چاہیے۔

2۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر ان کی غلطی واضح کرنے کے لیے اصولی یا شرعی استدلال کا طریقہ اختیار نہیں کیا، بلکہ ان کے سامنے ایک زیادہ واضح اور عام فہم دلیل پیش کی، یعنی یہ کہ کسی عمل کو نیکی سمجھ کر اختیار کر لینا، جب کہ دین و شریعت

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایندگی کرنے والی جماعت نے اسے اختیار نہ کیا ہو، بہ ذات خود علم و فہم کی کجی کی ایک نشانی ہے اور گویا اس طرز فکر کے ہم معنی ہے کہ ایسا کرنے والے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، یعنی صحابہ کی جماعت سے زیادہ دین کا علم یا دینی جذبہ رکھتے ہیں۔

3۔ فقہا کے ہاں عبادات میں بدعت کی بحث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا حوالہ اہتمام کے ساتھ دیا جاتا ہے اور اس سے یہ اصول اخذ کیا جاتا ہے کہ کسی مشروع عمل میں مخصوص اوصاف اور ہیئات کا اس طرح اضافہ کرنا کہ وہ اس کا مستقل حصہ بن جائیں اور ان کے مجموعے سے ایک نئی ہیئت وجود میں آجائے، اس عمل کو بدعت کے دائرے میں داخل کر دیتا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طریقے کے جواز کے لیے فضیلت ذکر کے عمومی دلائل کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ اس خاص طریقے کا شریعت میں ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر انکار فرمایا (احکام الاحکام 1/173)۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسی اثر کا حوالہ دیتے ہوئے اس نوعیت کے دینی اجتماعات کی غیر مشروعیت کو یوں واضح کیا ہے:

وأما بالعادة فكالجهر والاجتماع في الذكر المشهور بين متصوفة الزمان، فإن بينه وبين الذكر المشروع بونًا بعيدًا، إذ هما كالمتضادين عادة.
(الاعتصام 1/506)

”کسی عمل میں زائد اوصاف کو عادت اور معمول بنا لینے سے اس عمل کا حصہ بنا دیا جائے، اس کی مثال اجتماعی اور جہری ذکر کا وہ طریقہ ہے جو ہمارے دور کے متصوفین میں عام ہے۔ اس کے اور ذکر الٰہی کے مشروع طریقے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیونکہ عادتاً یہ دو باہم متضاد طریقے ہیں۔“

تخریج اور اختلاف طرق

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ابو عبد الرحمٰن السلمی کے مذکورہ طریق کے علاوہ متعدد اسانید سے تفصیلاً و اختصاراً درج ذیل مصادر میں بھی نقل کیا گیا ہے:

المصنف لعبد الرزاق، رقم 5249۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، رقم 6268۔ الزہد لاحمد بن حنبل، رقم 2116۔ البدع لابن وضاح، رقم 9۔ سنن الدارمی، رقم 206۔

مختلف طرق میں واقعے کی تفصیلات میں کچھ فرق ہے۔ عبد اللہ بن اغر کی روایت کے مطابق مسجد میں اجتماعی تسبیح کروانے والے شخص کا نام عمرو بن عتبہ کے بجاے عمرو بن زرارہ تھا۔ اس طریق میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جملہ یوں نقل ہوا ہے: 'أنتم أهدى أم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم؟ إنكم متمسكون بطرف ضلالة'، ''کیا تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ؟ تم یقیناً گم راہی کی ایک صورت کو اختیار کیے ہوئے ہو'' (طبرانی، المعجم الکبیر، رقم 8638)۔

عبد الرزاق کے ایک طریق میں 'لقد ضللتم ضلالاً بعيدًا' کے بعد اس جملے کا اضافہ ہے: 'على ما تعدون امر الله؟'، ''تم اللہ کی تسبیح و تحمید کو شمار کیوں کر رہے ہو؟'' (رقم 5250)۔

ابن وضاح کے طریق میں 'ما جئنا ببدعة ظلماء' کے بعد یہ اضافہ ہے: 'ولكنا قوم نذكر ربنا'، ''بلکہ ہم تو اپنے رب کو یاد کر رہے ہیں'' (رقم 9)۔

ابو نعیم اور احمد بن حنبل کے طریق میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جملے میں 'فوالله لئن فعلتم' سے پہلے 'عليكم بالطريق فالزموه' (حلیۃ الاولیاء، رقم 6268۔ الزہد لاحمد بن حنبل، رقم 2116) کے اور ''المطالب العالیہ'' کی روایت میں 'اتبعوا ولا تبتدعوا' (رقم 3041) کے الفاظ مروی ہیں۔ یعنی ''تم صحابہ کے طریقے کے پابند اور اس پر کاربند رہو'' اور ''پیروی کرو اور نئے نئے طریقے نہ نکالو۔''

ابن وضاح کے ایک طریق میں 'فلم يزل يحصبهم بالحصا حتى أخرجهم من المسجد' (رقم 16) کے الفاظ ہیں، یعنی ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو کنکر مارتے رہے، یہاں تک کہ انھیں مسجد سے نکال دیا۔'' یہ بیان تمام طرق کے برخلاف ہونے کی وجہ سے درست معلوم نہیں ہوتا۔

دارمی کی روایت میں یہ واقعہ عمرو بن سلمہ نے قدرے مختلف انداز میں نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اطلاع لے کر آنے والے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں پہنچے تو انھوں نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ ''تم اپنے گناہ شمار کرو۔ میں تمھیں

لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ، وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ! هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ.

(سنن الدارمی، رقم 206)

ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہیں جائے گی۔ تمھاری خرابی ہو اے امت محمد! تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ رہے ہو! جب کہ تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں اور ابھی آپ کا کفن بھی بوسیدہ نہیں ہوا اور آپ کے چھوڑے ہوئے برتن نہیں ٹوٹے۔ بخدا، یا تو تم ایسے دین پر ہو جو محمد کے دین سے زیادہ راستی پر مبنی ہے اور یا پھر تم کسی گم راہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔"

(4)

عن سعید بن وهب، قال: سمعت ابن مسعود یقول: لَا يَزَالُ النَّاسُ صَالِحِينَ مُتَمَاسِكِينَ مَا أَتَاهُمُ الْعِلْمُ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ أَكَابِرِهِمْ، فَإِذَا أَتَاهُمْ مِنْ أَصَاغِرِهِمْ هَلَكُوا. (الجامع لمعمر بن راشد، رقم 1096)

"سعید بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگ اس وقت تک صلاح پر قائم اور (دین میں) رخنہ پڑنے سے محفوظ رہیں گے جب تک انھیں علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے اور اپنے بڑوں کی جانب سے ملتا رہے گا۔ پھر جب انھیں ان کے چھوٹوں کی طرف سے علم ملنے لگے گا تو وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

لغوی تشریح

مُتَمَاسِكِينَ: 'تماسك' کا لفظی مطلب ہے: آپس میں جڑا ہوا ہونا۔ مراد یہ ہے کہ لوگوں کا دین صحیح سالم اور مجتمع رہے گا اور اس میں خرابی اور رخنہ واقع نہیں ہو گا۔

شرح ووضاحت

اس اثر کا مدعا بھی دینی علم و عمل میں صحابہ کے مقتدا اور پیشوا ہونے کو واضح کرنا اور ان پر خطر رجحانات اور تعبیرات کے بارے میں لوگوں کو خبر دار کرنا تھا، جو صحابہ جیسے معتمد اہل علم کے مقابلے میں اگلی نسل کے کچھ نوخیز گروہوں میں دکھائی دے رہے تھے۔ عہد صحابہ میں اس کی بہت نمایاں مثال خوارج کی صورت میں سامنے آئی۔ یہ گروہ جذباتی اور دینی علم میں پختگی نہ رکھنے والے نوجوانوں پر مشتمل تھا، جس نے اکابر صحابہ کے علم و عمل پر اعتماد کرنے کے بجاے اساسی اور نازک مسائل میں اپنے فہم سے دینی احکام کی ایسی تشریحات کیں جو مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے قتل وغارت کو جائز ٹھہرانے پر منتج ہوئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی ان کی نشانی یہی بتائی گئی تھی کہ یہ 'احداث الاسنان سفهاء الاحلام'، یعنی نوخیز اور کم عقل لوگ ہوں گے (صحیح البخاری، رقم 6564)۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد یہ نہیں ہے کہ ہر ہر مسئلے میں تصریحاً صحابہ سے کوئی بات منقول ہونی چاہیے یا یہ کہ ان کے بعد اہل علم اپنے فہم اور اجتہاد سے کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جو صحابہ سے ثابت نہ ہو۔ مراد صحابہ کے دینی مزاج کی پیروی اور فہم دین میں ان کے منہج کی اتباع کی تلقین کرنا ہے۔ ابن عبد البر نے اس کی تشریح میں اہل علم سے نقل کیا ہے:

أن العلم إذا لم يكن عن الصحابة كما جاء في حديث ابن مسعود ولا كان له أصل في القرآن والسنة والإجماع فهو علم يهلك به صاحبه، ولا يكون حامله إمامًا ولا أمينًا ولا مرضيًا. (الجامع فی بیان العلم وفضلہ، رقم 708)

"علم جب صحابہ کی طرف سے نہ آئے اور اس کی قرآن اور سنت اور اجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو تو ایسا علم آدمی کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا اور اس کا حامل (دین میں) پیشوا یا قابل اعتماد یا پسندیدہ شخص نہیں ہو سکتا۔"

تخریج اور اختلاف طرق

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر سعید بن وہب کے طریق سے الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ

درج ذیل مصادر میں بھی نقل کیا گیا ہے:

المعجم الکبیر للطبرانی، رقم 8590۔ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم 7733۔ الجامع فی بیان العلم وفضلہ، رقم 708۔ الزہد والرقائق لابن المبارک، رقم 802۔ معجم ابن الاعرابی، رقم 904۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی، رقم 89۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، رقم 11450۔

روایت کے بعض طرق میں 'من قبل أکابرھم وذوی أسلافھم' (المعجم الکبیر، رقم 8469) کے، بعض میں 'کبرائھم' (معجم ابن الاعرابی، رقم 904) اور بعض میں 'من علمائھم وکبرائھم وذوی اسنانھم' (حلیۃ الاولیاء، رقم 11450) کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح دوسرے جملے میں بعض طرق میں 'عن أصاغرھم وشرارھم' کے (الجامع فی بیان العلم، رقم 705) اور بعض میں 'من صغارھم وسفلتھم' کے (معجم ابن الاعرابی، رقم 904) الفاظ ہیں۔

بعض روایات میں یہ اثر عبد اللہ بن عکیم کی روایت سے سیدنا عمر سے بھی منقول ہے (الجامع فی بیان العلم وفضلہ، رقم 703۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی، رقم 88)۔

(5)

عن عبد الرحمن بن یزید، قال: قال عبد اللہ بن مسعود: أَنْتُمْ أَكْثَرُ صَلَاةً، وَأَكْثَرُ صِيَامًا، وَأَكْثَرُ جِهَادًا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُمْ كَانُوا خَيْرًا مِنْكُمْ. قَالُوا: فِيمَ ذَاكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: كَانُوا أَزْهَدَ مِنْكُمْ فِي الدُّنْيَا، وَأَرْغَبَ مِنْكُمْ فِي الْآخِرَةِ. (بیہقی، شعب الایمان، رقم 10152)

''عبد الرحمٰن بن یزید نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہو، زیادہ روزے رکھتے ہو اور زیادہ جہاد کرتے ہو، لیکن وہ پھر بھی تم سے بہتر تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے ابو عبد الرحمٰن، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ دنیا میں تم سے کم رغبت رکھتے اور آخرت کا تم سے زیادہ شوق رکھتے تھے۔''

شرح ووضاحت

یہ اثر اپنے مضمون کے لحاظ سے قرآن مجید کی اس آیت پر مبنی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے

قربانی کے جانوروں کے متعلق فرمایا ہے کہ 'لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقوٰى مِنكُم' (الحج 22:37)، یعنی "اللہ تک ان جانوروں کے گوشت اور خون ہر گز نہیں پہنچیں گے، بلکہ اس تک تمھارا تقویٰ پہنچے گا۔" اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی عمل کی قدر و قیمت تقویٰ اور رضاے الٰہی کے جذبے کے اعتبار سے طے ہوتی ہے، جو انسان کے دل میں ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی، جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، اس پہلو سے صحابہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ. (صحیح مسلم، رقم 4617)

"میرے صحابہ میں سے کسی کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا انفاق کرے تو وہ میرے کسی صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت میں اپنے دلوں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب کی جو کیفیت پیدا کر لی تھی، اس کی وجہ سے قدر و قیمت کے اعتبار سے ان کے اعمال کا تقابل بعد کے لوگوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا، چاہے ظاہری کثرت کے لحاظ سے وہ صحابہ سے بڑھے ہوئے ہوں۔

تخریج اور اختلاف طرق

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر عبد الرحمٰن بن یزید کے طریق سے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ درج ذیل مصادر میں بھی نقل کیا گیا ہے:

المستدرک علی الصحیحین، رقم 7993۔ الزہد لابن ابی الدنیا، رقم 158۔ الزہد والرقائق لابن المبارک، رقم 495۔ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم 8638۔ المصنف لابن ابی شیبہ، رقم 33882۔ حلیۃ الاولیاء، رقم 433۔

[باقی]

محمد ذکوان ندوی

عدالتِ الٰہی میں پیغمبر کا مقدمہ

قرآن کو چھوڑنے اور اُس سے غفلت و اعراض کرنے والے آخرت میں جب اپنی اِس بد بختی پر ماتم کر رہے ہوں گے، اُس وقت خود اللہ کا رسول اُن کے اِس جرم کی گواہی دیتے ہوئے خدا کے سامنے اُن کی ایک شکایت درج فرمائے گا، اور وہ ہے مسلمانوں کا قرآن مجید کو 'کتابِ مہجور' بنا دینا۔ اِس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: 'وَقَالَ الرَّسُولُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا ھٰذَا القُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا' (الفرقان 25: 30)، یعنی رسول کہے گا کہ پروردگار، میری قوم کے اِن لوگوں نے قرآن جیسی اِس عظیم کتاب کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

واقعات بتاتے ہیں کہ گذشتہ 'مسلمانوں' (یہود و نصاریٰ) کا جرم بھی یہی تھا اور موجودہ مسلمانوں کا جرم بھی یہی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے خدا کی نازل کردہ کتاب پر ایمان کا دعوی کرنے کے باوجود عملاً کتاب اللہ کو اپنے تمام معاملات میں پس پشت (فنبذوہ وراء ظھورھم) ڈالتے ہوئے اُس کو معیارِ قول و عمل کے مقام سے ہٹا کر صرف ایک ثانوی (secondary) درجہ دے رکھا تھا۔

چنانچہ موجودہ زمانے کے اکثر مذہبی اور غیر مذہبی مسلمانوں نے بھی کتاب اللہ کے معاملے میں یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، یعنی اعتقاداً قرآن ایک قومی کتاب ہونے کے باوجود عملاً ہماری زندگی میں 'کتابِ ہدایت' کی اصل حیثیت کے اعتبار سے باقی نہیں رہا۔ وہ ہمارے مدارس، مساجد، اسلامی اسکولوں، کالجوں، خانقاہوں، اکیڈمیوں، یونی ورسٹیوں اور ہمارے جامعات میں

پڑھے اور پڑھائے جانے والا صرف ایک ثانوی ماخذ اور ایک مقدس نصاب بن کر رہ گیا ہے، نہ کہ ہماری زندگی اور ہمارے نظامِ تعلیم و تربیت کا مرشدِ اوّلیں اور اصل مرکزِ فکر و حیات۔

چنانچہ عملاً یہ ہوا کہ قرآن کو ہمارے منبر و محراب اور جبہ و دستار کے لیے باعثِ زینت تو بنایا گیا، مگر اُسے ہمارے درمیان ماخذِ رشد و ہدایت قرار نہ دیا جا سکا۔ ہمارے درمیان شیخ التفسیر اور شیخ المشائخ جیسے مناصب متعین کیے گئے، مگر خود قرآن کو کبھی اِس قسم کا کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ ہمارے درمیان دینی امور کے فیصلوں کے لیے دارالقضا و دارالافتا کے مذہبی ادارے اور مفتی و قضاۃ تو بنائے گئے، مگر خود قرآن کو عملاً کبھی اِس مقامِ قضا و اِفتا کا فیصل قرار نہیں دیا گیا۔ ہمارے اداروں میں ایک قسم کی اضافی مذہبی کشش کے طور پر قرآن کو شامل نصاب کر کے اُسے شہرت و تجارت کا ذریعہ تو بنایا گیا، مگر ہمارے پورے نظامِ تعلیم میں قرآن کو اصل عامل و حکم راں کی حیثیت نہ دی جا سکی۔ قرآن کو اپنی محفلوں کا عارضی حسن آغاز تو بنایا گیا، مگر اُسے اپنی زندگی کے لیے دائمی نقطۂ آغاز نہ بنایا جا سکا۔ قرآن کو اپنے وعظ و ارشاد، اپنی علمی اور مذہبی تحقیقات اور اپنے مذہبی لٹریچر کا سرنامہ تو بنایا گیا، مگر اِس میدان میں کبھی کتاب اللہ کو معیارِ مطلق کا درجہ نہیں دیا گیا۔ قرآن ہمارے مذہبی اور تعلیمی نظام میں ایک "قاعدۂ بغدادی" تو بن سکا، مگر اب تک اُسے ہمارے اِس پورے نظام میں قاعدہ و بنیاد اور اصل الاصول کی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

یہی ہے قرآن کو اپنے درمیان "کتابِ مہجور" بنا دینا اور یہی ہے ہمارا وہ جرم جس کا مقدمہ کل روزِ محشر خداوندِ ذوالجلال کی عدالت میں خود پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہمارے خلاف عائد ہونے والا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی ہے جو خدا کی عدالت میں دائرِ اِس مقدمے کی پیروی کر سکے؟ کتاب اللہ کے سوا جن چیزوں پر آج ہم نے اپنا سارا وقت اور توانائی صرف کر رکھی ہے، کیا ہم اُن کے ذریعے سے خود پیغمبر کی طرف سے عائد کیے جانے والے اِس مقدمے کی تردید کر سکیں گے؟

ڈاکٹر عرفان شہزاد

خدا کی رزاقیت اور بچوں کی پیدایش

["نقطۂ نظر" کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

رزق کے مفہوم میں وہ تمام ضروریات شامل ہیں جن کے بغیر زندگی ممکن اور سہل نہیں ہوتی۔ رزق کا معاملہ بھی آزمایش کی اسی اسکیم کے تحت ہے، جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق کیا ہے۔ قسمت اور کوشش کے باہمی تعامل سے کیا نتائج مرتب ہوں گے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ انسان کی ہر کوشش بار آور ہوتی ہے اور نہ قسمت کی یاوری کا کوئی مستقل قاعدہ ہے۔ اللہ کی مدد اپنی حکمت کے تحت شاملِ حال ہوتی ہے تو انسان کامیاب ہو جاتا ہے، اُسی حکمت کا تقاضا ہو تو نتائج حسبِ توقع نہیں نکلتے۔

قرآن مجید کی ایک آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی وہ کوشش کرے، چنانچہ خدا پر بھروسا کرتے ہوئے محنت کی جائے تو مثبت نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان، درحقیقت، نیک وبد اعمال کے اخروی نتائج سے متعلق ہے۔ اس آیت کو اس کے سیاق وسباق میں دیکھیں تو اس کا یہ مفہوم از خود واضح ہو جاتا ہے:

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ. وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ. وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ. ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ. (النجم 53:41-38)

”یہ کہ کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کو آخرت میں وہی ملے گا جو اُس نے دنیا میں کمایا ہے اور یہ کہ جو کچھ اُس نے کمایا ہے، وہ عنقریب دیکھا جائے گا، پھر اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

قرآن مجید کی ایک آیت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب جان داروں کے رزق کا ذمہ اٹھایا ہوا ہے، اس لیے سب کو ان کا رزق ملے گا۔

آیت یہ ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ. (ھود 11:6)

”زمین پر چلنے والا کوئی جان دار نہیں ہے، جس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو۔ اور وہ اُس کے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے اور اُس جگہ کو بھی جہاں وہ (مرنے کے بعد زمین کے) سپرد کیا جائے گا۔ یہ سب ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔“

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ رزق کو اپنی ذمہ داری بتایا ہے، ترسیلِ رزق کی ضمانت نہیں دی، یعنی اس نے جو بھی جان دار پیدا کیے، ان کا رزق بھی پیدا کیا ہے، مگر ہر جان دار کو اس کی ضرورت کے رزق کی ترسیل بھی ہو گی، اس کا ذمہ نہیں لیا۔

قرآن مجید کی جس آیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترسیلِ رزق کے بھروسے پر بے دریغ اولاد پیدا کرنے کا استدلال کیا جاتا ہے، درحقیقت وہی آیت اس فہم کی نفی کرتی ہے۔

آیت یہ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا. (بنی اسرائیل 17:31)

”تم لوگ اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم اُنھیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ اُن کا

قتل یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ’’ہم اُنھیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمھیں بھی‘‘، ان مفلس والدین کو مخاطب کرتا ہے جن کی تنگ دستی انھیں اپنے جگر پاروں کو قتل کر دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ والدین خود بھی کسی کی اولاد ہی ہوتے ہیں، مگر ان کو بہ قدرِ ضرورت رزق نہیں ملتا۔

اس آیت کا درست مفہوم یہ ہے کہ وہ بچے جو دنیا میں وارد ہو چکے، انھیں اب مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کیا جائے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ جیسی کچھ روزی والدین کو ملتی ہے، انھیں بھی مل سکتی ہے۔ ان کی قسمت کا فیصلہ اب قدرت پر چھوڑ دیا جائے۔

اولاد کی پیدایش کے بعد خدانخواستہ آدمی وسائل سے تہی ہو جائے تو الگ بات ہے، لیکن وسائل کی کم یابی کے باوجود اپنی استطاعت سے زیادہ بچے پیدا کرنا کوئی معقول بات نہیں۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے جاتے ہیں۔ وسائل دیکھ کر ہی بچوں کی پیدایش کا ارادہ باندھنا چاہیے۔ مفلسی میں بچے پیدا کرنا، انھیں اپنی تکلیفوں میں شامل کر لینا ہے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر اولاد کو پالنا ایسے والدین کا اولاد پر کوئی احسان نہیں، بلکہ اپنی مجرمانہ غفلت کی تلافی کی ناکافی کوشش ہے۔

مفلسی کے ہاتھوں نامناسب خوراک اور علاج معالجہ کی عدم دستیابی کی وجہ سے بچوں کو موت کی نذر کرنا قتلِ اولاد کا وہی جرم ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ بچے اپنے والدین کی نادانی کے مقتول ہیں۔ خدا کے ہاں ہر ظلم کا حساب دینا ہو گا۔

معاشی ناہمواری میں بہتری لانے میں جب تک کامیابی نہیں مل جاتی، زیادہ بچے پیدا کر کے بچوں اور معاشرے کے لیے مزید مشکلات پیدا کرنا کوئی معقول طرزِ عمل نہیں۔ محنت کشوں کو کم تر اجرت پر مجبور کرنا اسی لیے ممکن ہوتا ہے کہ مزدور کی رسد اس کی طلب سے زیادہ ہے۔

غربت کی چکی میں پسنے والے لاکھوں کروڑوں غریب بچوں میں سے چند ایک کی قسمت اگر چمک اٹھتی ہے تو اسے بہ طور مثال پیش کرنا کہ خدا چاہے تو یوں بھی ہو سکتا ہے، اس لیے زیادہ بچے پیدا کرنے میں تردد نہیں کرنا چاہیے، محض سادہ لوحی ہے۔ دنیا کے عام معمول کے مطابق لاکھوں کروڑوں مفلسوں کے ہاں کوئی چمت کار نہیں ہوتا۔ خوش حالی سے بد حالی میں مبتلا ہو جانے والوں کی ان گنت مثالیں بھی موجود ہیں، ان سے عبرت کیوں حاصل نہ کی جائے؟ منفرد اور غیر معمولی واقعات سے عمومی کلیے نہیں بنائے جاتے۔ افراد کی اکثریت کو عمومی حالات ہی پیش آتے ہیں۔

چمت کار کی امید پر کوئی کام نہیں کیا جاتا، چہ جائیکہ جیتے جاگتے انسانوں کو پیدا کرنے کا سنجیدہ کام ایسی غیر سنجیدگی سے کر لیا جائے۔

کسی بھی دوسری شے کے مقابلے میں انسان سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیدایش کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جائے۔ اس کے بعد خدا پر بھروسا کیا جائے۔ خدا پر توکل کا یہی درست طریقہ ہے۔

ریحان احمد یوسفی

غلامی کا خاتمہ

غلامی دور جدید میں ایک ناقابل تصور چیز بن چکی ہے۔ تاہم معلوم انسانی تاریخ میں یہ انسانی معاشروں کا ایک لازمی حصہ رہی ہے۔ ایک جدید تعلیم یافتہ شخص جب قرآن مجید میں غلامی کا ذکر دیکھتا ہے تو اسے سخت حیرت اور صدمہ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ چیز اسلام کی حقانیت پر شبہ کا سبب بن جاتی ہے۔

جو لوگ اس حد تک نہیں جاتے، ان کے ذہن میں بھی اس حوالے سے بہت سے سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس طرح شراب اور سود کو بہ تدریج حرام قرار دیا، غلامی کو بھی صراحت کے ساتھ حرام قرار دے دیا جاتا، اس میں کیا حرج تھا؟

یہ ایک بہت معقول سوال ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ایسا نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ غلامی نہ صرف انسانی معاشرے کی لازمی ضرورت بن چکی تھی، بلکہ اس کے عرف میں داخل ہو کر فکری جواز حاصل کر چکی تھی۔

غلامی کا آغاز تاریخ میں اس وقت ہوا جب انسان زرعی دور میں داخل ہوا۔ جنگ و جدل میں جو قیدی پکڑے جاتے، وہ قتل کر دیے جاتے۔ وقت کے ساتھ لوگوں کو احساس ہوا کہ قیدیوں کو قتل کرنے کے بجاے اگر ان کو زندہ رکھ کر زرعی زمینوں اور گھروں میں کاموں کے لیے استعمال کر لیا جائے تو قیدیوں کو زندگی کا حق مل جائے گا اور فاتحین ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا لیں گے۔ چنانچہ غلامی کا سلسلہ ظلم کی ایک کم تر شکل کے طور پر شروع ہو گیا۔ یہیں سے اسے فکری اور اخلاقی جواز مل گیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ لونڈی غلام خدمت گزاروں کے طور پر معاشرے کی ناگزیر ضرورت بن گئے۔ جس کے بعد بردہ فروشی شروع ہوگئی۔ قبائلی دور میں جو مرد یا عورت اپنے قبیلے سے جدا ہوتی یا جو قبیلہ کم زور ہوتا، اس کے افراد کو پکڑ کر غلام بنالیا جاتا اور بڑے شہروں میں فروخت کر دیا جاتا۔ قبائلی عصبیت اور حمایت سے محرومی کے بعد کسی لونڈی یا غلام کے لیے یہ سوچنا بھی ممکن نہ تھا کہ وہ دوبارہ ایک آزاد زندگی گزار سکے۔ وہ کسی طرح آزاد ہو بھی جاتا تو تنہا نہ اپنے تحفظ پر قادر تھا نہ اس دور میں ایسے معاشی مواقع دستیاب تھے کہ وہ خود سے آزاد زندگی گزارنے کا سوچ سکتا۔ اس کا مالک اس کے ساتھ جو کچھ بھی سلوک کرتا، اس کی واحد پناہ گاہ اور واحد کفیل تھا۔ بردہ فروشی کے علاوہ تاوان اور قرض کی عدم ادائیگی، قتل کی دیت اور کسی جرم کی سزا کے طور پر بھی فرد کی آزادی سلب کر کے اسے کسی کی غلامی میں دے دیا جاتا۔ یوں سماج نے ہر پہلو سے غلامی کو اپنالیا۔

ایسے میں غلامی کے مکمل خاتمے کے لیے انسانوں کے سماجی، معاشی اور فکری نظریات میں تین تبدیلیاں ناضروری تھیں: پہلی یہ کہ آزادی کو انسان کا سب سے بڑا حق مان لیا جائے اور ہر قیمت پر اس کا تحفظ کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ معاشرہ اس بات کو یقینی بناتا کہ ہر شخص کے روزگار کا یقینی انتظام کیا جاتا۔ تیسرا یہ کہ دنیا قبائلی تمدن سے نکل کر بین الاقوامی معاہدات کے اس دور میں پہنچ جائے جہاں دنیا ایک بین الاقوامی قانون بنانے کے قابل ہو جاتی۔

ان تینوں تبدیلیوں کے بغیر اگر سارے لونڈی غلام ایک حکم سے رہا کر دیے جاتے تو بیش تر غلام خود ہی رہائی لینے سے انکار کر دیتے۔ خاص کر ایک اسلامی معاشرے میں جہاں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک ایک دینی مطالبہ تھا۔ غلاموں کے نزدیک آزادی سے زیادہ ایک دولت مند مالک کی خدمت کر کے چھت، لباس اور خوراک کی یقینی فراہمی زیادہ اہم تھی۔ وہ آزادی حاصل کر لیتے تو روزگار نہ ملتا اور کسی اور علاقے میں جاتے تو دوبارہ غلام بنا لیے جاتے۔

اس لیے اسلام نے ایک فطری انداز اختیار کیا اور یہ حق غلاموں کو دے دیا کہ وہ معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لیں۔ اسلام کے اس حل میں یقیناً مسلمانوں کے اخلاقی انحطاط کے ساتھ کچھ عملی خرابیاں در آئیں، لیکن مذکورہ بالا تینوں تبدیلیوں کے بغیر ایسا کوئی حکم دینا کارلاحاصل تھا۔

دور جدید میں مغرب کے علمی اور صنعتی انقلاب نے ان تینوں پہلوؤں سے سماج کو بدل دیا۔ آزادی دور جدید میں سب سے بڑی انسانی قدر قرار پا گئی۔ یہ اسی فکری تبدیلی کا نتیجہ ہے کہ آج

لوگ غلامی کا نام سن کر پریشان ہو جاتے ہیں، ورنہ زمانۂ قدیم میں اسے ہر طرح کا اخلاقی اور قانونی جواز حاصل تھا۔ چنانچہ اسی پس منظر میں دنیا نے غلامی کو عظیم ترین ظلم سمجھنا شروع کر دیا۔ دوسرے یہ کہ صنعتی انقلاب نے بڑے پیمانے پر ملازمت کے مواقع پیدا کر دیے۔ ہر غلام کے لیے موقع تھا کہ وہ آزادی کے بعد کسی نہ کسی طرح اپنی گزر اوقات کا بندوبست کر لے۔ تیسرے یہ کہ بین الاقوامی ریاستی معاہدات نے رفتہ رفتہ پوری دنیا کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ہاں غلامی کو ختم کر دیں۔

اس لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر کسی قسم کا اعتراض اٹھانا قرآن مجید ہی سے نہیں، اس بات سے بھی بے خبری کا ثبوت ہے کہ انسانی معاشرے کیا ہوتے ہیں اور کن اصولوں پر چلتے ہیں۔

نعیم احمد بلوچ

حادثے کے بعد حادثے

اگست 2024ء میں پاکستان کے شہر کراچی میں ایک خوفناک حادثہ پیش آیا۔ اس کے نتیجے میں موٹر سائیکل پر سوار ایک باپ بیٹی جاں بحق ہوگئے۔ اس کے ساتھ پانچ دیگر افراد شدید زخمی ہوئے۔ موٹر سائیکل اور دوسری گاڑیوں کو خاصا نقصان بھی پہنچا۔ اس حادثے کی ذمہ دار ایک خاتون نتاشا دانش ہیں۔ وہ کئی کمپنیوں کی ایم ڈی اور مالک ہیں۔ ان کا تعلق ایک معروف کاروباری اشرافیہ کے ایک متمول خاندان سے ہے۔ حادثے کے فوراً بعد اس کی سی سی ٹی وی ویڈیوز سوشل میڈیا میں ٹاپ ٹرینڈ کرنے لگیں۔ پولیس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ملزمہ کو گرفتار کر لیتی۔ ملزمہ پر مقدمہ چلتا رہا، وہ اس دوران میں سلاخوں کے پیچھے رہی، لیکن اس کے ورثا اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے اسے حوالات میں ممکن حد تک سہولتیں پہنچاتے رہے۔ آخر کار ٹھیک بیس دنوں کے اندر اندر خاتون کے ورثا اور حادثے کا شکار ہونے والے تمام فریقوں میں معاملات طے پا گئے اور اسلامی شرعی قانون ''دِیَّت'' کے مطابق ہر ایک کو معاوضہ ادا کر دیا گیا اور جاں بحق عمران عارف اور آمنہ عارف کے ورثا کی جانب سے حلف نامہ عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ اہل خانہ نے کہا کہ معاہدہ کسی دباؤ کے بغیر اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ عدالت نے ایک، ایک لاکھ روپے کے مچلکوں کے عوض ملزمہ نتاشا اور اس کے خاوند کی درخواست ضمانت منظور کر لی، جب کہ منشیات استعمال کرنے کے کیس میں درخواست ضمانت کا فیصلہ محفوظ کر لیا۔ ملزمہ کے وکیل نے کہا کہ نتاشا کو عدالت نے اجازت دی ہے کہ وہ چاہے تو ملک سے باہر بھی جا سکتی ہے۔

اس موقع پر سوشل میڈیا پر ایسی تصویریں گردش کرنے لگیں جن میں وہ وکٹری کا نشان بنا کر، چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے ایک نئی گاڑی میں سوار ہو کر گھر روانہ ہو رہی ہیں۔ اس تصویر کو پاکستان کے دو بڑے نام ور اور ذمہ دار صحافیوں نے وائرل کیا تھا۔[1]

یہ ایک دل دوز حادثے کا بہ ظاہر ڈراپ سین تھا، لیکن یہ حادثہ اصل میں اپنے اندر کئی بڑے حادثوں، غلط فہمیوں اور معاشرتی خرابیوں کی گمبھیر تصویر ہے۔

پہلا حادثہ تو یہ ہوا کہ ملزم خاتون کے ورثا جلد ہی نتاشا کا ایسا میڈیکل سرٹیفکیٹ لے آئے جس کے مطابق وہ بعض نفسیاتی بیماریوں کا شکار بتلائی گئی۔ ان رپورٹس کے ذریعے سے خاتون کے جرم کی شدت کم کر کے اسے فوری ضمانت دلانا مقصود تھا، لیکن دوسری رپورٹس بھی سامنے آئیں، جن میں خاتون کا نشے کی حالت میں ہونا ثابت ہو رہا تھا۔ پاکستانی جائز طور پر یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا پیسے کے زور پر کوئی بھی مرضی کی رپورٹ حاصل کر سکتا ہے؟ بلاشبہ، یہ پاکستانی معاشرے کی بہت ہی بری تصویر ہے۔

دوسری خبر یہ تھی کہ جس ڈاکٹر نے بھاری رشوت لے کر ملزمہ کو نفسیاتی مریض ظاہر کیا ہے، وہ مسلمان ہے، لیکن ایک دوسرے ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسری رپورٹ جاری کی۔ اس نے رشوت کی پیش کش قبول نہیں کی اور لکھا کہ ملزمہ سو فی صد نارمل ہے۔ یہ ڈاکٹر ہندو ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے یہ خبر بھی کسی حادثے سے کم نہیں تھی۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا اسلام کا ایمان داری سکھانے میں کوئی کردار نہیں؟ اور کیا ہندو مذہب انسان کے اچھے کردار کی ضمانت دیتا ہے؟ یہ سوچ اصل میں اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ انسان کی کوئی فطرت نہیں ہوتی۔ اس کے اندر اچھا یا برا انسان اس کا مذہب تشکیل دیتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے نیک فطرت پر پیدا کیا ہے اور تمام مذاہب اصل میں انسان کی اس نیک فطرت کو مخاطب کرتے ہیں۔ وہ اسی کی یاد دہانی کے لیے ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو جھوٹ بولنے اور بد دیانتی کرنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ اسے سچائی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہندو ڈاکٹر نے اپنی نیک فطرت کو

---

[1]۔ مذکورہ واقعہ اور اس سے متعلق جملہ تفصیلات ذرائع ابلاغ کی اطلاعات پر مبنی ہیں۔ ان میں کسی غلطی کے لیے ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

زندہ رکھا اور مسلمان ڈاکٹر نے اسے فراموش کر دیا۔ مذہب تو ایک ٹول کی طرح ہے، جس کا درست استعمال ماننے والے کو باکردار بناتا ہے اور جو اسے فراموش کر دیتا ہے، اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس سے ہم کسی مذہب کے سچا یا جھوٹا ہونے کا کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پاکستانی معاشرے میں مذہب کے درست شعور کی آگہی کی سخت ضرورت ہے اور اس حوالے سے ہمارے ہاں متعصبانہ رویہ پایا جاتا ہے۔

تیسرا حادثہ وہ واویلا تھا جس میں کہا جا رہا تھا کہ ایک عورت بھلا اتنی بڑی گاڑی کیسے سنبھال سکتی ہے؟ عورت کو گھر میں بیٹھنا چاہیے، نہ کہ وہ سڑکوں پر گاڑیاں چلاتی پھرے۔ اسی لیے جب خاتون نے غلطی سے موٹر سائیکل کو ٹکر مار دی، اس کے بعد وہ عورت ہونے کی وجہ سے اس قدر گھبرا گئی کہ ٹکروں پر ٹکریں مارتی گئی۔ اس میں حادثے کا پہلو عورت کے حوالے سے وہ غلط تاثر ہے جو عام طور پر پاکستانی معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ یہ معاشرے کی جہالت اور غلط مذہبی نظریات کی نشان دہی کرتا ہے اور اس بات کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ اس طرح کے غلط تصورات کی اصلاح کس قدر ضروری ہے۔

چوتھا حادثہ بی بی سی کی یہ خبر تھی کہ وکٹری کے نشان والی تصویریں جعلی تھیں اور کسی نے اے آئی سے یہ تصویریں بنائی تھیں۔ دونوں صحافیوں نے تصدیق کیے بغیر انھیں شائع کر دیا۔ بعد میں احساس ہونے پر انھوں نے معذرت کرتے ہوئے یہ تصاویر ہٹا دیں۔ یہ المیہ بہت ہی پریشان کن ہے۔ ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ انسان اگر جلد بازی کا مظاہرہ کرے تو وہ حقیقت سے کس قدر دور ہو سکتا ہے۔ جو ذرائع انسان کو حقیقت سے باخبر کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں، وہ اصل میں دو دھاری تلوار ہیں۔ وہی ذرائع ہمیں گم راہ بھی کر سکتے ہیں، اس لیے کامن سینس اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تصدیق کیے بغیر کسی خبر کو سچا تسلیم نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے آگے پھیلایا جائے۔ یہ بات بھی عقل کے فطری استعمال پر مشتمل ہے اور قرآن مجید نے اس کی یاد دہانی کرائی ہے کہ خبر کی تصدیق کیے بغیر اسے نہ مانا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات کی مزید تشریح میں یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو آگے پھیلاتا پھرے۔

اس حوالے سے یہ پہلو بھی ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ آج کے جدید دور میں جب ہمارے

پاس اطلاعات کے محیر العقول اور ماضی کے مقابلے میں ناقابلِ تصور قسم کے ذرائع موجود ہیں، ہم کس قدر آسانی سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کے کردار کو کس قدر بھیانک انداز میں منفی بنا سکتے ہیں جن کے بارے میں پہلے سے منفی قسم کے شواہد موجود ہوں۔ سوچیے کہ اگر آج کے اس دور میں یہ سب کچھ ممکن ہے تو ماضی میں ہم تاریخ کے حوالے سے کتنے گم راہ کن نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تاریخی معاملے میں، خاص طور پر جب وہ مذہب اور قوم کے متعلق ہو، نتائج اخذ کرنے میں کتنی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس میں بلیک اینڈ وائٹ رائے بنانا کس قدر گم راہ کن ہو سکتا ہے۔ اسی لیے دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ واقعات سے مذہبی اور قومی نظریات مرتب نہ کیے جائیں اور نہ کسی واقعے کو قانون کا ماخذ بنایا جائے۔ نہ کسی شخصیت کو ہم شیطان سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی واقعے کی روشنی میں کوئی فرشتہ قرار پا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر برصغیر کی تاریخ میں تقسیم اور اس کے بعد کے واقعات وحادثات میں دونوں ملکوں کی قوموں کو اس پہلو سے اپنے خیالات اور نظریات کا جائزہ لینا چاہیے۔

چھٹا حادثہ اس بدظنی کی صورت میں سامنے آیا کہ اسلامی قوانین کے تحت انصاف نہیں مل سکتا۔ یہ قبائلی قوانین ہیں جو اشرافیہ کے فائدے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس قانونِ دیت کے تحت تو انسانی جان، مال اور عزت بھی خریدی جا سکتی ہے۔

یہ تاثر اسلامی قوانین کے حوالے سے قلتِ تدبر اور قلتِ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ دیت کے قوانین معاشرے میں بہت فلاح کا باعث ہو سکتے ہیں، لیکن ان کو سمجھنے اور نافذ کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ جان بوجھ کر قتل (قتلِ عمد) ہو یا قتل خطا، اس میں جرم دو ہوتے ہیں: ایک جرم اسٹیٹ کے خلاف اور ایک جرم مُدَّعِی، یعنی مضروب یا مقتول کے خلاف۔

جہاں تک مضروب یا مقتول کا معاملہ ہے، اس میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ اگر معاف کرنا چاہے اور اپنے نقصان کی قیمت لینے پر آمادہ ہو جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یعنی اگر صاف نظر آ رہا ہو کہ ایک حادثے کے تحت یہ نقصان یا قتل ہوا ہے اور اس میں کسی نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا یا حالات مجرم کو رعایت دینے کا تقاضا کر رہے ہیں تو یہ آپشن رکھا ہے کہ مجرم یا ذمہ دار کے ساتھ رعایت برتی جائے۔ اور اس میں اس کے غریب یا امیر ہونے کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ذمہ دار جیسا

کہ اس واقعے میں ہے، مال دار ہے تو اس سے مال لیا جائے گا اور نقصان جس قدر ممکن ہو، پورا کیا جائے گا، لیکن وہ اگر غریب یا کم حیثیت ہے تو اس موقع پر حکومت آگے بڑھے گی۔ وہ پابند ہے کہ مقتول کا خون بہا ادا کرے اور دوسرے کے نقصان کو بھی عدل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ یہ کسی طور مناسب نہیں ہے کہ مالی حیثیت کسی کو بچانے کا باعث ہو اور کسی کی غربت اس کے مقدر میں سزا لکھ دے۔ ایسا ہوا تو یہ دیت کے قانون کی خلاف ورزی ہو گی۔ دیت کا قانون ماضی میں بھی اور آج بھی معاشرے میں بدلے اور انتقام کی روایت کو روک دینے کا باعث ہے۔ اس سے معاشرے میں امن و امان اور سماجی توڑ پھوڑ کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ریاست کسی طور پر بھی ایسے مجرم کو معاف نہیں کر سکتی جس نے مجرمانہ غفلت اور اپنی سماجی حیثیت کے غلط استعمال سے جرم کیا ہے، جیسا کہ بہ ظاہر اس معاملے میں نظر آ رہا ہے۔ نشے کی حالت میں ڈرائیونگ اور قانون کو خریدنے یا جعل سازی سے قانون کو دھوکا دینے کی کوشش ایسے جرائم ہیں جو کسی بھی قسم کی رعایت کے مستحق نہیں۔ نہ پاکستان کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی اور معاشرہ۔ زیر بحث کیس میں یہی چیز اعتراض کا باعث بنی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دیت کا قانون اس بات کی کسی طور پر اجازت نہیں دیتا کہ صرف مالی ہرجانہ لے کر ذمہ دار یا مجرم کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ اس کے خلاف ریاست سارے حالات دیکھتے ہوئے فیصلہ دے گی کہ مجرم یا ذمہ دار کس قدر رعایت یا کس قدر سخت سزا کا حق دار ہے۔

آخری بات اس حادثے کے حوالے سے یہ کی جا رہی ہے کہ ورثا نے ملزمہ کو بچانے کی اتنی کوشش کیوں کی ہے؟ ہمارے خیال میں یہ بہت ہی مثبت اور قابل تعریف بات ہے۔ ایسے حادثوں میں ورثا کا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہی فطری رویہ ہے اور یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔ اس سے خیر و برکت کے بہت سے پہلو نکلتے ہیں۔ البتہ، اس میں یہ چیز ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ معاملہ عدل کے خلاف نہ ہو۔ ناجائز فیور لینے کا نہ ہو، جیسا کہ اس معاملے میں بہ ظاہر ہوا ہے۔ یقیناً یہ پہلو قابل مذمت ہے، لیکن ورثا نے نتاشا کا خیال رکھا ہے اور اسے تنہا نہیں چھوڑا تو یہ قابلِ مذمت نہیں، قابلِ تعریف بات ہے۔

اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے، ان سے ہم دردی اور ان کے نقصان کے ازالے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہونی چاہیے۔ اس موقع پر بچت نا قابل معافی

کنجوسی، سنگ دلی اور کم ظرفی ہے اور جان چھڑانا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے، کیونکہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کے حادثے میں ایک دوسری عدالت بھی ہے اور وہ آخرت کی عدالت ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی عدالت میں کسی کی کوئی حیثیت، کوئی چالاکی اور کوئی دھونس نہیں چل سکتی۔ اس کا فیصلہ تو اس عدالت میں ہونا ہے، دنیا کی عدالت کا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ یہاں تو مرنے والوں نے کچھ وصول نہیں کیا۔ وہ تو مٹی اوڑھ کر قیامت تک کے لیے خاموش ہو گئے۔ ان کا دعویٰ تو باقی ہے۔ حشر کے دن نتاشا دانش کو ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے!

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(15)

[صاحب ”تدبر قرآن“ کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

پچھلے صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا اصلاحی کی جماعت اسلامی میں شمولیت کی وجہ مولانا منظور نعمانی کا اصرار تھا۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ مولانا کا مزاج کسی سیاسی یا دینی جماعت سے وابستہ رہ کر کام کرنے کا نہیں تھا۔ اگر مدرسۃ الاصلاح میں ان کے لیے حالات ساز گار ہوتے تو وہ کبھی بھی جماعت میں شامل نہ ہوتے۔ ان کا جماعت میں شامل ہونا گویا ایک فرار تھا۔ پھر مولانا مودودی نے ان کا جس طرح سے اکرام کیا، وہ بھی ان کی جماعت میں شمولیت کا باعث بنا۔ نہ صرف اکرام، بلکہ ان کے ساتھ کچھ اس طرح کی نیاز مندی استوار کی کہ مولانا اصلاحی اپنی خواہش کے بالکل خلاف جماعت میں نہ صرف شامل ہوئے، بلکہ ان کی حیثیت جماعت اسلامی میں ریڑھ کی ہڈی کی تھی۔

مولانا مودودی اچھی طرح جانتے تھے کہ امین احسن کی جماعت اسلامی میں شمولیت جماعت کے علمی قد و قامت میں اضافے کا باعث ہو گی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ وہ جب تک جماعت میں

رہے، علمی محاذ انھی کے پاس رہا۔ جماعت سے وابستگی کے دوران میں انھوں نے دو طرح کے علمی کام کیے: ایک جماعت پر ہونے والی علمی تنقیدات کا جواب اور دوسرا قرآنی موضوعات پر علمی مقالے۔ ہم ان صفحات میں ان دونوں کاموں کی تفصیل کریں گے۔

یاد رہے کہ اس عرصے میں ان سے وہ تحقیقی کام چھوٹ گیا جو وہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں کر رہے تھے۔ اس کا مولانا کو بہت قلق تھا۔ اس قلق کا اظہار انھوں نے اس وقت کیا جب وہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے اور اسی مقام پر ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ سر دست ہم جماعت سے وابستگی کے دوران میں ان کے علمی کاموں کا تعارف حاصل کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا دفاع

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جماعت اسلامی کی تاسیس کے بالکل بعد ہی مولانا منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بعض احباب کے ساتھ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ ابتدا میں تو یہ بزرگ نہ صرف خاموش رہے، بلکہ اس کا اظہار بھی کرتے رہے کہ ہمیں جماعت اسلامی سے کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ اس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے، لیکن جب دیوبندی مکتب فکر کے لوگوں نے جماعت اسلامی پر الزامی اور تاثراتی قسم کی تنقیدات کیں تو مولانا منظور نعمانی نے ان تنقیدات میں اپنا وزن بھی ڈال دیا۔ اس موقع پر مولانا اصلاحی نے ''ترجمان القرآن'' میں ''نئی فردِ قرار دادِ جرم'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ 64 صفحات پر مشتمل یہ مقالہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ یہ ''ترجمان القرآن'' کے شمارہ نومبر 1951ء میں شائع ہوا۔

اس مضمون کی سختی کے بارے میں مولانا سے جب سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

> ''دیکھیے میں بنیادی طور پر ادب کا طالب علم ہوں اور ادب کے ذریعے سے قرآن تک پہنچا ہوں۔ ادب میں تجربے اور مشاہدے کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنے کے لیے بعض اوقات الفاظ کے روایتی سانچے ساتھ نہیں دیتے۔ اس لیے غیر معمولی انداز یا روایت سے ہٹ کر کوئی اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے تاکہ بڑے سے بڑا مضمون مختصر الفاظ میں جملے کا روپ اختیار کر لیں۔ اس کے لیے کبھی تو مسجع و مقفع انداز اختیار کرنا پڑتا ہے اور کبھی ایک یا دو سخت الفاظ بھی مضمون کا احاطہ کر لیتے ہیں۔'' (عالمی ترجمان القرآن، اپریل 2013، 64)

اس مضمون کے حوالے سے دسمبر 1976ء میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک صحافی سلیم منصور خالد نے ان سے کچھ سوالات کیے تھے۔ ان کے جواب میں مولانا اصلاحی نے فرمایا تھا:

”میں نے مولانا مودودی کے دفاع میں جو تحریر لکھی، اس پر آج میرا موقف کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں دو چیزیں ذہن میں رکھیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف جب پے در پے مضامین شائع ہوئے تو ان خلافِ واقعہ باتوں کا جواب دینے کے لیے کسی کے کہنے یا توجہ دلانے پر نہیں، بلکہ سراسر اپنے ذاتی ارادے سے میں نے دو تین مضامین لکھے، جن کی جانب آپ نے اشارہ کیا ہے۔ ایک مضمون تو میں نے اپنے دوست مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے مضمون پر لکھ کر ”ترجمان القران“ میں اشاعت کے لیے دیا تو مودودی صاحب اسے بعینہٖ شائع کرنے میں متردد تھے۔ انھوں نے کہا کہ اس کی شدتِ بیان کو نرم کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا: آپ مدیر ہیں، مناسب حد تک اپنا اختیار استعمال کر لیں۔ مودودی صاحب نے میری اس تحریر کو اتنا نرم بنا دیا کہ اس پر میں نے انھیں کہا کہ اب آپ اسے اپنے ہی نام سے شائع کیجیے، لیکن بنیادی مضمون تو بہر حال میرا تھا۔ اس لیے ادارتی تدوین کے بعد وہ میرے ہی نام سے شائع ہوا۔

اس موقع پر یہ حقیقت مجھ پر واضح ہوئی کہ مودودی صاحب اپنے دفاع کے بارے میں نہ تو متفکر ہیں اور نہ اس کے حریص ہیں، بلکہ بے نیاز ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اس تحریر پر کئی بار ممنونیت کا اعتراف کرتا، لیکن مولانا مودودی نے مضمون شائع کرنے کے بعد ایک بار بھی یہ نہیں کہا کہ آپ نے بہت خوب لکھا۔ بس ایک مضمون انھیں ملا اور انھوں نے شائع کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دفاع میں نے مولانا مودودی کا نہیں کیا، بلکہ اپنا دفاع کیا تھا۔ وہ تنقید میرے امیر جماعت پر ہوئی تھی۔ دوسروں کے بارے میں تو میں کہہ نہیں سکتا، لیکن جب تک میں جماعت میں رہا ہوں، جماعت کی امارت کے لیے میں نے ہر بار اپنی رائے انھی کے حق میں دی تھی۔ اس لیے میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ میرے امیر پر کوئی بے بنیاد الزام تراشی کرے اور میرا قلم گواہی دینے کے بجائے خاموشی اختیار کیے رہے۔ اس لیے دراصل یہ میں نے ان کا نہیں، بلکہ اپنا دفاع کیا اور آج بھی اپنے اس جواب پر قائم ہوں۔“ (عالمی ترجمان القرآن، اپریل 2013، 67)

مولانا فرماتے ہیں کہ اس مضمون کو مولانا مودودی نے بہت نرم کر دیا تھا اور اس پر وہ شکوہ کناں ہوئے تھے، لیکن ہم اس مضمون کے بعض اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون میں مولانا کی تحریر کی کاٹ کیا ہو گی!

یہ مضمون مولانا منظور نعمانی نے اپنے ذاتی رسالہ ماہنامہ ''فرقان'' لکھنؤ بابت ماہ ذی قعدہ 1370ھ میں تحریر کیا تھا۔ اس مضمون میں مولانا نعمانی نے پہلا اعتراض یہ کیا تھا کہ جماعت اسلامی کا لائحۂ عمل دنیادار قسم کے لوگوں کی تحریکات سے ماخوذ ہے۔ اور ساتھ ہی انھوں نے یہ لکھا کہ ایسا ''احساس'' ان کا نہیں، بلکہ بعض ایسے لوگوں کا ہے جن پر انھیں اعتبار ہے اور وہ خود اس طرح کی مادی تحریکات سے واقف نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں مولانا اصلاحی نے لکھا:

''اگر مولانا نے اس معاملے میں دوسروں کا احساس مستعار لینے کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ وہ خود وقت کی مادیت اور مادی تحریکوں سے براہ راست واقف نہیں ہیں تو میں اس بات پر ان کو ضرور داد دوں گا کہ انھوں نے جس پہلو سے اپنے اندر کمی محسوس کی دوسروں کی مدد سے اس کی تلافی کی کوشش فرمائی، لیکن ساتھ ہی میں ان کو اس امر واقعہ سے بھی آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے اہل بصیرت رہنماؤں نے ان کی بڑی غلط رہنمائی کی ہے اور اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں: یا تو انھوں نے دیدہ و دانستہ مولانا کی ''نیکی'' سے فائدہ اٹھا کر ان کو جماعت اور جماعت کے لٹریچر سے بدگمان کرنا چاہا ہے یا پھر اسلام اور وقت کی مادیت اور مادی تحریکات، ہر چیز سے وہ خود بالکل نابلد ہیں اور انھوں نے مولانا کے حسنِ اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو اندھی راہ دکھانے والوں کی طرح بالکل غلط راہ دکھائی ہے اور پھر ان سے بڑی غلطی خود مولانا کی ہے۔ اس قماش کے لوگوں نے جو کچھ کہہ دیا، اس کو انھوں نے صرف باور ہی نہیں کیا، بلکہ بے تکلف جماعت اسلامی کی فہرستِ جرائم میں اس کو جرم نمبر ایک کی حیثیت سے درج بھی فرما دیا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات ان کو یاد نہ آئی کہ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا، أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، یعنی ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دے۔'' یہ انھیں اپنے ''راویوں'' سے پوچھنا چاہیے تھا کہ جماعت اسلامی نے ان مادی تحریکوں سے کیا چیز لی ہے؟ عقائد و نظریات اور اصول لیے ہیں یا وسائل اور تدابیر۔ اگر وہ کہتے کہ پہلی چیز لی ہے تو اس کی کم از کم کوئی ایک ہی نظیر ان سے دریافت کرنی چاہیے تھی۔ اگر وہ

کہتے کہ دوسری چیز ہے تو پھر پوچھنا چاہیے تھا کہ اس میں جو کچھ لیا ہے، وہ مباہات کے قبیل سے ہے یا مکروہات و محذورات کے قبیل سے؟ اگر مباحات میں سے ہے تو ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز دوسروں سے لینا کوئی جرم نہیں ہے اور اگر ممنوعات میں سے ہے تو بے شک جرم ہے، مگر اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیے کہ جماعت اسلامی نے ایسی کوئی چیز دوسروں سے اخذ کی ہے۔ یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے کہ بغیر کسی تحقیق اور تشخیص کے محض ایک ہوائی چیز دوسروں پر چسپاں کر دی جائی۔" (ترجمان القرآن جلد 37، عدد 2، 85)

مولانا نعمانی نے اس مضمون میں ایک اعتراض یہ کیا تھا کہ جماعت اسلامی نے اپنے متعلقین کی تربیت نفس کا کوئی اہتمام نہیں کیا اور انھوں نے اس میں صوفیہ سے بھی کوئی رہنمائی نہیں لی۔ اس سوال کا جواب مولانا اصلاحی نے بڑی تفصیل سے دیا ہے۔ ایک مختصر اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے یہاں تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کا کام اہل تصوف کے طریق پر نہیں ہو رہا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمارے یہاں تزکیۂ نفس کا کام سرے سے ہو ہی نہیں رہا ہے۔ ہم اہل تصوف کے طریقے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس لیے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ اس سے نفس کا جتنا تزکیہ ہوتا ہے، اس سے زیادہ اس کے اندر خرابیاں ابھر آتی ہیں۔ اس لیے ہم نے اس کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو ہم نے کتاب و سنت کے موافق پایا ہے۔ اس طریقے کی تفصیلات بتانا تو اس وقت میرے لیے مشکل ہے، لیکن چند باتوں کی طرف بر سبیلِ تذکرہ اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلے میں ہم نے پہلا کام تو یہ کیا ہے کہ قرآن شریف سے وہ چیزیں چھانٹ لی ہیں جو خاص طور پر تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح احادیث نبوی کے وسیع ذخیرے میں سے جو چیزیں تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق سے متعلق ہیں، وہ بھی منتخب کر لی ہیں۔ احسان کے جو اصول و مبادی قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں، وہ بھی ہم نے مرتب کر ڈالے ہیں۔ پھر جماعت کے لٹریچر سے ہم نے وہ چیزیں نشان زد کر دی ہیں جو ہمارے اصل مقصد کی طرف براہ راست رہنمائی کرتی ہیں اور اپنے تمام ارکان کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ اس کورس سے کسی قابل اعتماد نگران کی نگرانی میں سے ضرور گزر جایا کریں۔

جماعتی طور پر اس کام کا انتظام کیا ہے کہ ارکان کا محاسبہ کیا جاتا رہے اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں حدود اللہ کی محافظت کے عادی بنیں اور ان سے کوئی خلاف ورزی صادر ہو جائے تو شریعت کی ہدایت کی روشنی میں اس کی تلافی کی کوشش کریں۔ یہ ساری باتیں ہم نے تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی غرض سے اختیار کی ہیں۔ اگر مولانا کو ان باتوں کی اطلاع نہیں ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دنیا میں کوئی کام ہو ہی نہیں رہا۔ کام سے زیادہ اس کا ڈھنڈورا پیٹنا اور وہ بھی تزکیہ و تقویٰ کا ڈھنڈورا... یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے!" (ترجمان القرآن جلد 37، عدد 2، 92)

[باقی]

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

دعا

لب پہ آتی ہے آرزو میری
اب اُنھیں بھی ہو جستجو میری
یہ بہ گِل ہوں اگرچہ دنیا میں
سوے افلاک ہے نمو میری
لے کے نکلا ہوں پھر چراغ اپنا
ہاتھ میں اُن کے آبرو میری
علم و دانش کی بارگاہوں میں
شبنم آسا ہو گفتگو میری
حرف میرے ہیں بات اُن کی ہے
بات پہنچے یہ چار سو میری
جرعہ جرعہ عطا ہو رندوں کو
ساقیا، آتشِ سبو میری

بحرِ ہستی میں گم نہ ہو جائے
اک ذرا سی ہے آبجو میری
رحمتِ حق سے ہو بھی سکتی ہے
پھر قبائے ہنر رفو میری
روزِ محشر نہ آشکارا ہوں
لغزشیں سب کے رو برو میری

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[نومبر 2024ء]

دانش سرا خانقاہ کا افتتاح

ابتدا ہی سے ”المورد“ کے پیش نظر یہ چیز رہی ہے کہ ایک ایسی خانقاہ کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں کچھ وقت کے لیے یکسوئی کے ماحول میں ذکر و عبادت میں مشغول رہا جائے اور اہل علم و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوا جائے۔ گذشتہ ماہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے غامدی صاحب نے ”المورد“ پاکستان میں ”دانش سرا“ کے عنوان سے ایک خانقاہ کا افتتاح کیا ہے۔ انھوں نے خانقاہ کی ضرورت اور اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایسی خانقاہیں قائم ہونی چاہییں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

غامدی صاحب کا دورۂ بیلجیم

گذشتہ ماہ غامدی صاحب نے بیلجیم کا دورہ کیا۔ غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب بھی ان کے ہم راہ تھے۔ بیلجیم میں قیام کے دوران میں لندن، جرمنی اور فرانس سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد غامدی صاحب سے ملنے آئی۔ تقریباً تین گھنٹوں پر محیط اس طویل نشست میں لوگوں نے غامدی صاحب سے علمی اور تنقیدی سوالات پوچھے۔

غامدی صاحب کا دورۂ پاکستان

گذشتہ ماہ غامدی صاحب بیلجیم کا دورہ کرنے کے بعد پاکستان آئے۔ اپنے اس دورے کے دوران میں انھوں نے ''المورد'' پاکستان کا دورہ کیا اور وہاں پر ''المورد'' کے اسکالرز اور اپنے دیرینہ دوستوں سے ملاقات کی۔ مزید برآں، ''المورد'' پاکستان کے زیر اہتمام ہونے والے اوپن مائیک سیشن میں شرکت کی، جس میں پاکستان کے مختلف شہروں سے آئے لوگوں کی کثیر تعداد نے غامدی صاحب سے علمی، فکری، سیاسی اور دینی نوعیت سے کے سوالات پوچھے۔

''Conversing Islam''

غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب نے گذشتہ ماہ پاکستان کے دورے کے دوران میں یونیورسٹی آف سینٹرل پنجاب، لاہور میں ''Conversing Islam'' کے عنوان سے ایک پروگرام میں بہ طور مہمان شرکت کی، جس کی میزبانی کے فرائض حمزہ علی عباسی صاحب سر انجام دے رہے تھے۔ اس پروگرام کا مقصد پاکستان کے نوجوانوں کی مذہب میں گہری دل چسپی پیدا کرنا اور نئے نقطۂ نظر کے ساتھ تنقیدی گفتگو کرنے کے شعور کا اجاگر کرنا تھا۔ بعد ازاں، حسن الیاس صاحب اور حمزہ علی عباسی صاحب کو ''Conversing Islam'' ہی کے عنوان سے اسلام آباد میں ایک پروگرام میں مدعو کیا گیا۔ دونوں پروگراموں میں لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ حاضرین نے حسن الیاس صاحب سے مختلف علمی و فکری سوالات کیے اور حسن صاحب نے ان کے تسلی بخش جواب دیے۔

منظور الحسن صاحب کی کتابوں کی تعارفی تقریب

6 اکتوبر 2024ء کو غامدی سینٹر، ڈیلس امریکہ میں منظور الحسن صاحب کی حال ہی میں شائع ہونے والی 4 کتابوں کی تعارفی تقریب منعقد ہوئی۔ اِس موقع پر منظور الحسن صاحب نے کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا۔ غامدی سینٹر اور ''المورد'' امریکہ کے منتظمین جناب حسن الیاس، جناب فرحان سید اور جناب مکرم عزیز نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور غامدی صاحب نے خصوصی دعا فرمائی۔ کتابوں کے نام یہ ہیں: ''افکارِ غامدی''، ''تنقیداتِ فکرِ غامدی''، ''شذرات'' اور ''مقالات''۔ انھیں ''المورد'' امریکہ اور ''المورد'' پاکستان کے نیٹ ورک سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا غامدی سینٹر کا دورہ

گذشتہ ماہ پاکستان کے معروف سرجن، شاعر اور مصنف ڈاکٹر جاوید اقبال نے غامدی سینٹر امریکہ کا دورہ کیا۔ اپنے اس دورے کے دوران میں انھوں نے غامدی صاحب کے ساتھ ''پاکستان کا اصل مسئلہ کیا ہے؟'' کے عنوان سے ایک پروگرام ریکارڈ کرایا، جس میں پاکستان کو درپیش مسائل، ان کے حل اور پاکستان کی موجودہ حالت کے اسباب پر گفتگو کی گئی۔ مزید برآں، حسن الیاس صاحب سے ایک نشست میں گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے غامدی صاحب اور ان کے فکر کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ان پروگرامز کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

''امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور اتحاد امت کا راستہ''

گذشتہ ماہ 26 اکتوبر بروز بدھ لاہور میں مولانا ظفر علی خان فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ''امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور اتحاد امت کا راستہ'' کے عنوان سے ایک فکری نشست کا اہتمام کیا گیا، جس میں حسن الیاس صاحب کو بہ طور مہمان دعوت دی گئی۔ حسن الیاس صاحب نے اس پروگرام میں موجودہ دور میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کا حل بیان کیا، مزید برآں انھوں نے ان امور کی نشان دہی کی جن کو سرانجام دینے کے بعد مسلم امہ میں اتحاد اور یک جہتی قائم ہو سکتی ہے۔

''واقعۂ اسرا و معراج کی نوعیت''

منظور الحسن صاحب کا یہ مضمون واقعۂ اسرا و معراج کے حوالے سے غامدی صاحب کے موقف پر تنقید کا جواب ہے۔ قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ''اسرا و معراج'' کے زیر عنوان جن احوال کو بیان کیا جاتا ہے، وہ ایک واقعہ نہیں، بلکہ چار مختلف واقعات ہیں، جو الگ الگ موقعوں پر، الگ الگ صورتوں میں اور الگ الگ حالتوں میں وقوع پذیر ہوئے۔ مضمون کے آخر میں قرآن و حدیث اور عربی لغات کی روشنی میں لفظ ''رؤیا'' کے مفہوم کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ''اشراق امریکہ'' کے اکتوبر 2024ء کے شمارے میں پڑھا جا سکتا ہے۔

''توہین رسالت کے قانون پر علما کی حساسیت''

حسن الیاس صاحب نے اپنے اس مضمون میں توہین رسالت کے قانون کے حوالے سے برصغیر کے علما میں پائی جانے والی حساسیت کے دینیاتی استدلال اور سماجی عوامل کو بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ بریلوی مکتب فکر میں دین، شریعت، تصوف سب کا سر رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مافوق البشر شخصیت کو دکھایا گیا ہے، جس سے ہر امر کا صدور ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے حوالے سے اس مکتب فکر میں غیر معمولی حساسیت اور جذباتیت پائی جاتی ہے۔ یہ مضمون ''اشراق امریکہ'' کے گذشتہ ماہ کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم و عمل بہ طور اسوہ''

عمار خان ناصر صاحب نے ''تفہیم الآثار'' کے زیر عنوان ایک تصنیفی منصوبے کا آغاز کیا ہوا ہے، جس میں تحقیق و تخریج کے جدید وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کی دینی و علمی اہمیت، ان کے آثار کی تدوین و ترتیب اور ان کی شرح و وضاحت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کی پہلی قسط ''اشراق'' امریکہ کے شمارے میں شائع کی گئی، جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منتخب آثار کی روشنی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع اور اقتدا کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

”پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ“

اکتوبر 2024ء کو لاہور کے ایک معروف تعلیمی ادارے LUMS میں پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب اس میں بہ طور مہمان شریک ہوئے، جب کہ اس کی میزبانی کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر تیمور رحمٰن نے سرانجام دیے۔ اس پروگرام میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی اور حسن الیاس صاحب سے پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے علاوہ مختلف علمی و فکری اور تنقیدی نوعیت کے سوالات کیے۔

غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری آن لائن خانقاہ میں معز امجد صاحب ہر ہفتے اصلاحِ نفس کے پہلو سے ایک نشست منعقد کرتے ہیں، جس میں لوگوں کے نفس کی اصلاح اور تربیت کے حوالے سے مختلف موضوعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور اس سے متعلق لوگوں کی طرف سے پوچھے گئے سوالوں کے جواب دیے جاتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کی منعقد ہونے والی نشستوں کے عنوان یہ ہیں: ”اپنی منتخب گفتگوؤں میں حصہ لینا“ اور ”دائرۂ اختیار میں رہنا“۔ آن لائن خانقاہ کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

Ask Ghamidi

یہ سوال وجواب کی آن لائن نشست ہوتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے دینی اور اخلاقی موضوعات سے متعلق مختلف سوالوں کے جوابات براہ راست غامدی صاحب سے حاصل کر سکیں۔ ہر ماہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس نشست میں حصہ لیتی ہے۔ گذشتہ ماہ سوال وجواب کی اس میں لوگوں کی طرف سے تقدیر، آزادی اختیار اور یقین کامل جیسے اہم موضوعات سے متعلق سوالات پوچھے گئے۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

حسن الیاس صاحب کا پنجاب اسمبلی کا دورہ

اکتوبر 2024ء میں حسن الیاس صاحب نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران میں پنجاب اسمبلی کی انتظامیہ کی دعوت پر اسمبلی کا تفصیلی دورہ کیا، جس میں قانون سازی میں معاونت اور مختلف معاملات پر مشاورت اور مفید گفتگو ہوئی۔ ان میں سر فہرست اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اور مذہبی رواداری کے لیے امکانات تلاش کرنا تھا۔

''تفہیم الآثار'' سیریز

غامدی سنٹر کے زیر اہتمام ''تفہیم الآثار'' سیریز کے زیر عنوان گذشتہ ماہ نشر ہونے والے پروگراموں میں قرآن مجید سے متعلق مختلف پہلوؤں کی وضاحت پر مبنی آثار کا مطالعہ شروع کیا گیا ہے۔ ان نشستوں میں زیر بحث آنے والے اہم موضوعات یہ ہیں: ''گھروں میں تلاوت قرآن کا اہتمام اور اس کی برکات''، ''قرآن میں صحابہ کی جماعت کو تنبیہ اور نصیحت''، قرآن کو سیکھنے کا اجر اور صحت کے ساتھ پڑھنے کی اہمیت'' اور ''بہ طور کتاب ہدایت قرآن مجید کے اوصاف''۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سہ ماہی ''صالحات'' کا دوسرا شمارہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام خواتین کے لیے شائع ہونے والے سہ ماہی میگزین ''صالحات'' کا دوسرا شمارہ منظر عام پر آ گیا۔ اس کا آڈیو اور پی ڈی ایف ورژن آن لائن دستیاب ہے۔ اس شمارے میں خواتین کی دل چسپی کی علمی و ادبی اور تاریخی تحریریں اور انٹرویو شامل کیے جاتے ہیں۔ گذشتہ ماہ شائع ہونے والے شمارے میں ڈاکٹر ستارہ اکرام کا انٹرویو شامل ہے۔ یہ نعیم بلوچ صاحب کی ادارت میں شائع کیا جاتا ہے، جب کہ وجیہہ حسان واحدی اس کی نائب مدیر ہیں۔

''دین کی تعبیرات: بنیادی منہاج فکر''

گذشتہ ماہ ''ادارۂ فکر جدید'' لاہور کے زیر اہتمام ہونے والے ایک پروگرام میں حسن الیاس

صاحب نے ”دین کی تعبیرات: بنیادی منہاج فکر“ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے پاکستان میں رائج دین کی مختلف تعبیرات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دین کی صحیح تعبیر اور بنیادی منہج فکر پر روشنی ڈالی اور حاضرین کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیے۔

غامدی سینٹر کا آن لائن تعلیمی کورس

اکتوبر 2024ء میں غامدی سینٹر نے اپنے آن لائن لرننگ پلیٹ فارم Teachable کے لیے انگریزی زبان میں ”Belief in Hereafter“ کے نام سے ایک کورس تیار کیا ہے، جس کی آڈیو AI کے ذریعے سے تیار کی گئی۔ واضح رہے کہ غامدی سنٹر کے آن لائن کورسز کو منفرد اور دل چسپ بنانے کے لیے ویڈیوز کو جدید انداز میں ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ یہ کورس غامدی سینٹر کی Teachable ویب سائٹ پر نہایت کم قیمت میں دستیاب ہے۔

شہزاد سلیم صاحب کا دورۂ آسٹریلیا

گذشتہ ماہ شہزاد سلیم صاحب نے آسٹریلیا کا دورہ کیا۔ آسٹریلیا میں قیام کے دوران میں انھوں نے مختلف موضوعات پر لیکچرز دیتے ہوئے ”المورد“ کے پیغام، اس کے قیام کا پس منظر اور تاریخ کو بیان کیا۔ مزید برآں، انھوں نے مغرب میں نوجوانوں کو درپیش مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کی بہتر کردار سازی کے حوالے سے گفتگو کی۔

اجماع — علماے کرام کا نقطۂ نظر

23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں ”اجماع“ کا موضوع زیر بحث ہے۔ اجماع سے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کے بعد گذشتہ اقساط میں غامدی صاحب نے علماے کرام کی جانب سے اپنے تصور اجماع کے حق میں بہ طور دلیل پیش کی جانے والی آیات اور احادیث کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اب تک اس موضوع پر 12 نشستیں منعقد ہو چکی ہیں، جن کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب غامدی صاحب کی تفسیرِ قرآن ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اکتوبر 2024ء میں انھوں نے ان نشستوں میں سورۂ آل عمران کی آیات 169 تا 185 پر بات کی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث

اکتوبر 2024ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جناب جاوید احمد غامدی کے لائیو درسِ قرآن و حدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ مریم کی آیات 15 تا 36 کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں عذاب قبر، احسان کیا ہے؟، علامات قیامت کی دو بڑی نشانیاں اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے حوالے سے گفتگو کی گئی۔ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

''اسلامی نظام کا ڈھانچہ''

گذشتہ ماہ شہزاد سلیم صاحب نے میزان لیکچرز سیریز کے تحت ''اسلامی نظام کا ڈھانچہ'' کے موضوع پر انگریزی زبان میں لیکچرز ریکارڈ کرایا، جس میں انھوں نے مذہب کی روح، مذہب کی تعریف''اور دین کے مشمولات جیسے اہم موضوعات پر گفتگو کی۔ اس لیکچر کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جاسکتا ہے۔

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''

دنیا نیوز پر نشر ہونے والے غامدی صاحب کے ہفتہ وار پروگرام ''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''میں گذشتہ ماہ ہونے والے پروگراموں میں مسلمانوں کو مستقبل میں درپیش مسائل اور اتحاد امت پر گفتگو کے ساتھ ساتھ ناظرین کی طرف سے موصول ہونے والے سوالات کے جواب بھی

دیے گئے۔ ان میں سے چند اہم سوالات یہ ہیں: ”بینک میں محفوظ رقم پر ملنے والا منافع سود ہے؟“، ”کیا مستقبل میں اسلامی ممالک کے درمیان سیاسی سطح پر اتحاد ممکن ہے؟“ اور ”ہجرت کب کرنی چاہیے؟“ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح وطلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف ضرورتوں کے تحت 2 فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں حسن الیاس صاحب نے جاری کیا۔

شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ لوگوں سے آن لائن نجی مشاورتی سیشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سیشنز میں لوگ اپنے مختلف ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل میں شہزاد سلیم صاحب سے مشاورت کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کے 30 سے زائد سیشنز ہوئے۔ ان سیشنز میں لوگوں نے شہزاد سلیم صاحب سے والدین کو درپیش مشکلات اور نوعمری اور ازدواجی مسائل کے حل کے لیے مشاورت کی۔